ماہنامہ
اگست 2023ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا اِسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

اس شمارے میں:

- لمعات: تنظیمِ ممالک اسلامیہ (OIC) کی خدمت میں 4
- قرآنی نظریۂ قومیت (بسلسلہ یومِ آزادی) 8
- پرویز علیہ الرحمۃ کا یومِ پیدائش اور سوشل میڈیا 17
- درسِ قرآن (سورۃ الانعام آیت:94) 26
- تشکیلِ معاشرہ اور قرآنی کردار 48
- The Human Self and Allah 60



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کے علمی اسلوب تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثرانداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
اگست 2023ء

جلد 76 | شمارہ نمبر 08

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: تنظیمِ ممالک اسلامیہ (OIC) کی خدمت میں	ادارہ	4
قرآنی نظریہ قومیت (بسلسلہ یوم آزادی)	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	8
پرویز علیہ الرحمۃ کا یوم پیدائش اور سوشل میڈیا	اقبال ادریس ایڈووکیٹ، سوات	17
درسِ قرآن (سورۃ الانعام، آیت:94)	پرویز علیہ الرحمۃ	26
تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار	ڈاکٹر علی نصیر عباسی	48

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

The Human Self and Allah
By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Ejaz Rasool)
Episode No. 19 — 60

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو، بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے
ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے
حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے
جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے، اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

تنظیمِ ممالک اسلامیہ (OIC) کی خدمت میں

اسلام کا منتہائے مقصود اور نصب العین یہ ہے کہ تمام نوع انسان کو آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری میں متشکل کر دیا جائے۔ اس منتہا تک پہنچنے کے لئے وہ تدریجی طریق عمل اختیار کرتا ہے۔ اس کی تفصیل ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صدر اول کی تاریخ میں ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے تشکیل امت کا آغاز نہایت مختصر پیمانے پر ایک محدود سے خطۂ زمین میں کیا۔ اگرچہ اس امت میں مختلف نسلوں اور ملکوں کے افراد شامل تھے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اس جماعت کا بیشتر حصہ، مکہ اور اس کے اردگرد کے علاقوں کے عربوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ جا کر اس جماعت کی وسعت میں اضافہ ہوا لیکن پھر بھی یہ من حیث الکل جزیرۃ العرب تک ہی محدود تھی۔

خلافت راشدہ (بالخصوص عہد فاروقیؓ) میں اس کی وسعت بہت بڑھ گئی اور ایران، شام، فلسطین، عراق، مصر تک کے علاقے اس کی حدود میں شامل ہو گئے اور اس کے ساتھ مختلف نسلوں، وطنوں، اور مذہبوں کے باوجود باشندے، اسلام لا کر اس امت کا جزو بن گئے۔ لیکن اس وسعت، کثرت اور تنوع کے باوجود، یہ امت، امت واحدہ رہی۔ اس کا مرکز مدینہ تھا اور مختلف علاقوں کی ولایات، اس مملکت کے صوبے تھے۔ چونکہ ابھی تک نظام مملکت سیکولر نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہ دینی مملکت تھی۔۔ اس لئے اس میں کوئی فرقہ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی اس میں مختلف پولیٹیکل پارٹیوں کا وجود تھا۔۔ پولیٹیکل پارٹیوں کا تصور غیر قرآنی اور خلاف اسلام ہے۔ بالفاظ دگر، اس وقت تک یہ امت، امتِ واحدہ تھی۔

بعد میں خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہو گئی، تو امت میں فرقے پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یاد رکھئے۔ فرقے پیدا ہی اس وقت ہوتے ہیں جب مملکت سیکولر ہو جائے۔ سیکولر نظام میں، اہمیت سیاسی استحکام کو حاصل ہوتی ہے۔ مذہب سے اسے چنداں واسطہ نہیں رہتا۔ مذہب میں دو چار چھوڑ، بہتر فرقے بھی کیوں نہ پیدا ہو جائیں سیکولر حکومت کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ یعنی اس دور میں امت تو امتِ واحدہ نہ رہی، لیکن مملکت بہر حال ایک ہی رہی۔ اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ ملک میں سیاسی خلفشار یا

تفرقہ نہ پیدا ہونے پائے۔

رفتہ رفتہ مرکزِ ملت کمزور ہوتا گیا اور مختلف ولایات میں آزاد حکومتیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ یوں امت، نہ مذہبی طور پر واحد رہی نہ سیاسی طور پر۔ بالفاظِ دیگر، جب امت کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ گیا تو پھر نہ دین کی وحدت باقی رہی نہ دنیا کی۔ مسلمانوں میں صرف نام کا اشتراک رہ گیا یا مذہب کی بے روح رسوم اور بے جان شعائر و مناسک کا اشتراک۔ لیکن ظاہر ہے کہ نام اور مذہبی رسوم و شعائر کا اشتراک وحدت پیدا نہیں کر سکتا۔ دنیائے عیسائیت کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ساری دنیا کے عیسائی اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں اور اپنے مذہب کی رسوم میں حصہ بھی لیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی سلطنتیں الگ الگ ہیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار بھی رہتی ہیں۔

ان میں اگر معاہدات بھی ہوتے ہیں تو اسی طرح جیسے کسی غیر عیسائی سلطنت کے ساتھ معاہدہ ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عیسائی سلطنت اور مسلم سلطنت ایک دوسرے کی حلیف ہوتی ہیں اور وہ دونوں کسی عیسائی یا مسلم سلطنت کے خلاف نبرد آزما۔ دنیا کے مسلمان اس وقت اس مقام پر ہیں جس مقام پر (مثلاً) عیسائی۔ لیکن عیسائیت کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا کیونکہ ان کا مذہب، سیاست میں دخل ہی نہیں دیتا۔ اس کے برعکس، اسلام کا اس سے کچھ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ اِس میں مذہب اور سیاست میں ثنویت نہیں۔ اِس کا ''مذہب'' اور ''سیاست'' دونوں دین کے تابع ہیں اور دین کا اصل الاصول وحدت امت ہے۔ ہمارے صدر اول میں، اور جن حالات میں ہم اس وقت گرفتار ہیں، ان میں، ایک بنیادی فرق ہے۔ اس وقت (جیسا کہ کہا جا چکا ہے) امت بھی واحد تھی اور اس کی مملکت بھی واحد اور جو شخص اسلام لاتا تھا، وہ اس امت واحدہ کا فرد بن جاتا اور مملکت واحدہ کا شہری قرار پاتا تھا لیکن آج اگر کوئی شخص اسلام لاتا ہے تو وہ امت مسلمہ کا فرد نہیں بنتا، وہ کسی نہ کسی فرقہ کا رکن بنتا ہے۔ نہ ہی وہ مملکت اسلامیہ کا شہری قرار پاتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی مسلم ملک کا شہری بنتا ہے۔ ہمارا تفرقہ اور انتشار اس وقت اس حد تک پہنچ چکا ہے۔

اس افتراق و انتشار سے وحدت امت کی طرف عملی قدم اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف مسلم ممالک اس حقیقت کا اعتراف و اعلان کریں۔ (بالفاظ دیگر اپنے اس ایمان کا اعلان کریں) کہ وہ، دین کے نقطہ نگاہ سے، اسی صورت میں مسلمان بن سکتے اور مسلمان رہ سکتے ہیں، جب امت میں وحدت ہو (ہم نے ''دین کے نقطۂ نگاہ سے'' کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ قومی نقطۂ نگاہ سے ہم سب مسلمان ہی ہیں اور اسی جہت سے موجودہ ممالک کو مسلم ممالک کہہ کر پکارا جاتا ہے) بہرحال، سب سے پہلے اس امر کا اعتراف و اعلان ضروری ہے کہ دین کا تقاضا وحدتِ امت ہے اور آج کے بعد ہمارا ہر قدم اسی نصب العین کی طرف اٹھے گا۔ یاد رکھئے۔ جب تک ہم اس غلط فہمی یا خود فریبی میں مبتلا رہیں گے کہ اختلاف اور تفرقہ کے باوجود، ہم دین کے نقطۂ نگاہ سے بھی مسلمان قرار پا سکتے ہیں، ہمارا کوئی قدم صحیح سمت کی طرف نہیں اٹھ سکتا۔

اگلا قدم یہ ہے کہ یہ ممالک باہمی معاہدہ کریں (اسے معاہدہ کے بجائے حلف نامہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا) کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کبھی جنگ نہیں کریں گے۔

یہ قرآن کریم کا اولین مطالبہ ہے۔ سورۃ النساء میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان، دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کر دے، اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہوگی۔ عذابِ عظیم اس کے لئے تیار ہوگا اور وہ سیدھا جہنم میں جائے گا (4:93) ظاہر ہے کہ جنگ میں ہزاروں مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں عمداً قتل ہوتے ہیں، لہٰذا مسلمان ممالک کی باہمی جنگ (از روئے قرآن) دونوں ملکوں کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔ سو اس قسم کا معاہدہ (یا حلف نامہ) جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، مسلمان ہونے اور رہنے کے لئے بنیادی شرط ہے۔ یہ معاہدہ کہ یہ ملک نہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ ہی کسی ایسے غیر مسلم ملک کے حلیف ہوں گے جو کسی مسلم ملک کے خلاف نبرد آزما ہو، اسے سمٹائے ہوئے الفاظ میں یوں کہا جا سکے گا کہ وحدتِ امت کی طرف قدم اول یہ ہونا چاہئے کہ ان ممالک کی خارجہ پالیسی ایک ہوگی اور جب صورت یہ ہوگی کہ یہ ملک ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کر سکیں گے اور ان سب کی خارجہ پالیسی ایک ہوگی تو ظاہر ہے کہ ان کا دفاع بھی مشترک ہوگا۔

ہمارا زمانہ، عصرِ اقتصادیات کہلاتا ہے۔ اس میں فوج سے بھی زیادہ اہم اور مؤثر عنصر اقتصادی پالیسی ہے۔ مسلم ممالک میں قدرتی ذخائر بے انتہا ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ باہمی اشتراک سے ان ذخائر کو استعمالی شکل میں لایا جائے اور پھر یکساں پالیسی کے تحت طلب و رسد سے متعلق معاملات طے کئے جائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آغاز کار کے لئے یہ ممالک اس قسم کے اقدامات کر لیں تو اس سے ان میں باہمی اتحاد کی بڑی خوش آئند صورت پیدا ہو جائے گی اور یہی اتحاد آگے چل کر وحدت کی شکل اختیار کر لے گا..... اس کے لئے قانون کی یکسانیت پہلا قدم ہوگا۔ اس وقت بیشتر مسلم ممالک ایسے ہیں جن میں سیکولر نظام رائج ہے (اگرچہ وہ زبان سے اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ مثلاً جس طرح سیکولر کو دینی بنا کر دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں) اس نظام کے تحت، ضوابط قانون کا الگ الگ ہونا فطری امر ہے۔

جن ممالک میں ''شرعی قوانین'' رائج ہیں، (ان میں (سیکولر سے بھی زیادہ) باہمی اختلاف ہے۔ اس لئے کہ جنہیں شرعی قوانین کہا جاتا ہے، وہ فقہی احکام ہوتے ہیں اور فقہ مختلف فرقوں کی الگ الگ ہے۔

وحدت قوانین کی بنیادی شرط، سرچشمۂ قوانین کی وحدت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں مشترک اور واحد سرچشمۂ قوانین، قرآن مجید کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جس طرح پہلے کہا ہے کہ وحدت امت کے بغیر، ہم دینی نقطہ نگاہ سے مسلمان ہو نہیں سکتے، اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم کو سرچشمۂ قوانین تسلیم کئے بغیر، ہم دعوائے اسلام کر نہیں سکتے۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44) ''جو لوگ

قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتے' انہی کو کافر کہا جاتا ہے''۔ اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو وحدتِ امت اور وحدتِ سرچشمۂ قوانین' لازم وملزوم ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ایک بین المملی قانونی کمیشن قائم کیا جائے جو اس قسم کا ضابطۂ قوانین مرتب کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان قوانین کی عملی جزئیات میں' مختلف ممالک کے مقامی تقاضوں کے مطابق فرق ہوسکتا ہے لیکن بنیادی قوانین تمام ممالک میں مشترک ہوں گے۔ اس سے وحدتِ امت کا نصب العین بس ایک ہی قدم آگے رہ جائے گا۔

اور..... وہ ایک قدم ہوگا مشترکہ نصابِ تعلیم جس سے آنے والی نسلوں کے دل ونگاہ میں یک رنگی' اور ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔ اس نصاب کی بنیاد' قرآن ہوگا۔۔۔ اور تاریخ۔ فقہ۔ روایات..... سب اس کے تابع ہوں گی۔۔۔ یہ وہ نسل ہوگی جو مختلف مسلم مملکتوں کے جداگانہ تشخص سے بلند ہوکر' امتِ واحدہ کی وسیع وعظیم مملکت قائم کرنے کے قابل ہوگی۔ یہ وہ مملکت ہوگی جو دین کی بنیادوں پر قائم ہوگی اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کر سکے گی۔

ویسے تو زمانے کے تقاضے بھی الگ الگ (چھوٹی یا کمزور) مملکتوں کو باہمد گر مدغم ہونے کی طرف کشاں کشاں لا رہے ہیں لیکن ان کے اس ادغام وانضمام میں' اور دین کی بنیادوں پر امت واحدہ کی مملکت واحدہ میں تبدیل ہوجانے میں بڑا فرق ہے۔ اول الذکر ادغام' محض سیاسی اتحاد ہوگا۔

وہ اتحاد جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (59:14)۔ ''تو انہیں متحد خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں''۔ اور ثانی الذکر اتحاد وہ ہوگا جس کے متعلق کہا ہے کہ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ (3:103) اس میں دل جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

یہ ہے ہماری قرآنی بصیرت کے مطابق وہ عملی طریق کار جو رفتہ رفتہ وحدتِ امت تک منتج ہوسکتا ہے اور جس کی طرف اسلامی ممالک کی تنظیم کی توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے۔

سانحہ ارتحال

نہایت دکھ کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ ہماری بزم کے ہر دل عزیز رکن ثقلین صاحب گذشتہ ہفتے اچانک انتقال کر گئے ہیں۔ یہ خبر ان کے برادر نسبتی اور ہماری بزم کے رکن محمد راشد صاحب نے دی۔ مرحوم نہایت وسیع المطالعہ' اعلیٰ اخلاقی صفات کے حامل قرآنی ہم سفر تھے۔ ادارہ مرحوم کے لواحقین' اہلِ خانہ اور ان کے برادرِ نسبتی محمد ارشد صاحب کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ بہشت عطا فرمائے۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بسلسلہ یومِ آزادی

قرآنی نظریۂ قومیت

عنوانِ بالا کے تحت لکھا گیا مضمون 16 اگست 2009ء کو ایک تقریب میں پڑھا گیا تھا جو کہ ادارہ طلوع اسلام کے تحت یومِ آزادی کے سلسلہ میں منعقد کی گئی تھی۔ مضمون پڑھنے کے بعد سامعین کی طرف سے کئے جانے والے سوالات کے جوابات بھی محترم ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے دیے تھے۔ یہ مقالہ طلوع اسلام کے قارئین کے لئے یک بارِ دگر پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

عزیزانِ گرامی قدر! السلام علیکم۔

میں بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کا دلی ممنون ہوں کہ انہوں نے یومِ پاکستان کی اس باسٹھویں تقریب میں خصوصی طور پر خطاب کے لئے میرا انتخاب کیا۔ یہ میرے لئے بہت اعزاز اور فخر کی بات ہے۔ عزیزانِ گرامی قدر! یومِ پاکستان کی اس تقریب کے حوالے سے خطاب کے لئے ''قرآنی نظریۂ قومیت'' کا انتخاب کیا گیا ہے۔

کسی حکیم نے بڑے پتہ کی بات کی تھی کہ آپس میں بات چیت کرنے سے پہلے جو الفاظ یا اصطلاحات موضوع گفتگو بنیں، ان کا مفہوم واضح ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مقرر اور سامعین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ہی مفہوم سے متفق ہوں۔ اس کے بغیر بات مزید آگے نہیں بڑھ سکتی۔

تحقیق کے طالب علم کو پڑھایا جاتا ہے کہ وہ اپنی تحریر یا تقریر میں جو الفاظ یا اصطلاحات استعمال کریں، وہ عصر حاضر کے ان مفہوم کو ادا کریں جو علمی حلقوں میں مستند ترین مانا جاتا ہو۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ میں اپنے خطاب کے عنوان کے تینوں الفاظ/ اصطلاحات کا مفہوم بیان کر کے اس میں آپ لوگوں کو شریک کروں۔

پہلے لفظ ''قرآنی'' سے فطرتی طور پر وہی مفہوم لیا گیا ہے جس کی وضاحت خود قرآن نے عربی مبین اور تصریفِ آیات کی رو سے کی ہے۔ دوسری اصطلاح نظریہ کا مفہوم علم کی زبان میں یوں درج ہے۔

(1) حقائق و واقعات، اشیاء و حوادث کو ایک مثالی اور عمومی زاویہ یا رشتہ میں دیکھنا۔

(2) سیاقِ علمی میں کسی مسئلہ سے متعلق معلومات کو ان کے مجرد علائق میں دیکھنا تاکہ مسئلہ کی تفہیم ہو سکے۔

(3) ایک مجرد ضابطہ، عمومی اصول، ماڈل جو کسی مظہر کی توجیہہ کے لئے قبول یا پیش کیا جائے۔

تیسری اصطلاح ''قومیت'' کی اصطلاح Nation بمعنی ملت' قوم سے مراد معاشرتی گروہ لیا جاتا ہے جو ثقافتی لحاظ سے ہم رنگ ہو اور اسے اپنی نفسی زندگی اور اس کے اظہار کی وحدت کا پورا پورا شعور ہو۔ اس کے افراد کے کچھ رشتے قدرتی طور پر اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ وہ اکٹھے خوش کن زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ جدید نظریہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنی ایک الگ ریاست بنانی چاہئے۔

پہلی تعریف قوم کے تناظر میں سامنے لائی گئی ہے جبکہ قومیت کی اصطلاح کا مفہوم یوں درج ہے۔

''روحانی جذبہ جو ان لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں نسل کا اشتراک ہو۔ وہ ایک ہی علاقے پر آباد ہوں۔ ان میں زبان' ادب' مذہب' ثقافت' تاریخ' روایات' مفادات' سیاسی روابط اور سیاسی وحدت کا اشتراک ہو۔

عزیزانِ گرامی قدر! ان اصطلاحات کے مفہوم کی وضاحت سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے موضوع ''قرآنی نظریہ قومیت'' کی طرف لوٹ آئیں اور اس کے نظریہ پاکستان کے ساتھ تعلق پر روشنی ڈال سکیں۔ نظریہ پاکستان کے بارے میں محترم منیر صاحب (ریٹائرڈ) چیف جسٹس آف پاکستان نے اپنی کتاب From Jinnah to Zia کے دوسرے ایڈیشن میں فرمایا ہے کہ قائداعظم پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ سیکولر کا لفظ شاید ہمارے کچھ احباب کے لئے غیر مانوس ہو۔ لہٰذا میں چاہوں گا کہ اس اصطلاح کا بھی علمی مفہوم سامنے لایا جائے۔ علم میں سیکولر (عصری) سے مراد ہے کہ

(1) لاطینی زبان میں لغوی طور پر جس کا تعلق وقت (تاریخ)' قبیلہ' نسل یا امور عالم سے ہو۔

(2) ایسے امور جن کا تعلق عصری زندگی سے ہو۔ سماجی امور و معاملات بمقابلہ پروہتانہ یا کلیسائی امور انتظامی۔

(3) وہ امور مثلاً تعلیم' اخلاق اور شہری یا مملکتی نظم و نسق جو کلیسائی انتظامیہ سے آزاد سمجھے جائیں۔

(4) ارض بمقابلہ ماورائی اور روحانی۔ (5) عام معنوں میں خلاف مذہب (دین)۔

جسٹس منیر کے پاکستان میں قائداعظم کا سیکولر ریاست کے قیام کے دعویٰ کو نظریہ پاکستان کی دونوں مقتدر ہستیوں نے واضح طور پر مسترد کیا ہوا ہے۔ علامہ اقبال کی وضاحت میں ہم ان کے ایک ہی مصرع کو سامنے لا رہے ہیں' جن میں انہوں نے فرمایا کہ: ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسی طرح ہم قائداعظم کے متعدد اقوال کے ذکر کرنے کی بجائے صرف ان کا ایک ہی جامع اور واضح قول درج کر رہے ہیں' جو انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن) کے طلباء کو 1941ء میں انٹرویو دیتے ہوئے پاکستان کے دفاع میں کہا تھا کہ:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقعہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔''

میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظم کے اس دوٹوک اور واضح موقف کے بعد کہ وہ مطالبہ پاکستان اس نظریہ سے کر رہے ہیں کہ

وہاں وہ قرآنی نظام کا عملاً نفاذ کروا سکیں' ان سے منسوب بیان کہ وہ پاکستان میں سیکولر نظام کے داعی تھے اس کا متقاضی نہیں ہے کہ اس کو خاطر میں لا کر وقت کا ضیاع کیا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ قائداعظم کا نظریہ پاکستان قرآنی نظریہ قومیت ہی پر مبنی تھا اور یہی ہمارے خطاب کا موضوع ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ قرآنی نظریہ قومیت کی غیر مبہم انداز میں واضح دوٹوک الفاظ میں وضاحت کی جائے۔ عزیزانِ گرامی قدر!

قرآن کے نظامِ حکومت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام نوع انسان کو ایک قوم (عالمگیر برادری) قرار دیتا ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً (2:213)۔ اس لئے وہ رنگ' نسل' زبان اور وطنیت کی بناء پر انسانوں کو مختلف گروہوں (قوموں) میں تقسیم کرنے کے خلاف ہے۔ وطنیت کی بناء پر تقسیم کو علامہ اقبال نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اس کی یوں سرزنش کی ہے کہ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرھن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

قرآن نے تو نسل اور قبیلہ کے نام سے پکارے جانے کا مقصد سورہ الحجرات (49:13) میں چار الفاظ میں بیان کر دیا کہ ''وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا'' خاندان یا قبیلے (جن کی بنیاد پر قوم کی تشکیل ہوتی ہے) سے مقصود صرف اس قدر ہے کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو۔ قرآن ساری دنیا کو ایک ملک اور تمام انسانوں کو ایک وحدت بتاتا ہے اور ان میں تفریق کا صرف ایک ہی معیار قرار دیتا ہے یعنی نظریاتی فرق۔ بالفاظِ دیگر دنیا کے تمام وہ انسان جو وحی کی رو سے متعین کردہ مستقل اقدار کو زندگی کا نصب العین قرار دیں' اس کے نزدیک ایک قوم کے افراد ہیں (خواہ دنیا کے کسی حصے کے رہنے والے اور کسی نسل سے متعلق ہوں) اور وہ لوگ جو اس نصب العین کے خلاف کوئی اور نصب العین قرار دیں' اس کے نزدیک وہ دوسری قوم کے افراد۔ اس کو قرآن کی اصطلاح میں کفر اور مومن کی تقسیم کہا جاتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (64:2)۔ اس (خدا) نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا۔ تم میں سے بعض کافر اور بعض مومن ہو جاتے ہیں ان دو گروہوں کے علاوہ اور کوئی معیارِ قومیت قرآن کی رو سے قابلِ قبول نہیں۔

قومیت کے تناظر میں پہلے گروہ کافر کا زندگی کے متعلق مختصر طور پر نظریہ ہے کہ انسان بھی (دیگر حیوانات کی طرح) صرف طبیعی جسم رکھتا ہے۔ اس کا جسم طبیعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے اور کچھ وقت کے بعد' انہی قوانین کے مطابق اس کی مشینری رک جاتی ہے۔ اسے اس کی موت کہتے ہیں' جس سے فرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس امر کی وضاحت ہمیں قرآن کریم سے بھی ملتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (47:12) لیکن جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے) تو ان کی زندگی اور حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ انہی کی طرح کھاتے پیتے' سامانِ زیست سے فائدہ اٹھاتے (اور مر جاتے ہیں)۔ اس تصورِ زندگی کا نتیجہ (شرفِ انسانیت کی) تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے بالمقابل دوسرے گروہ مومنین کا نظریہ زندگی یہ ہے کہ انسان صرف طبیعی جسم سے عبارت نہیں۔ اس کے پاس جسم کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جو حیوانات کو نہیں ملی' صرف

انسان کو عطا ہوئی ہے۔ اسے انسانی ذات یا نفس کہتے ہیں۔ انسانی ذات نہ مادی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ طبیعاتی قوانین کے تابع۔ یہ ہر انسانی بچہ کو خدا کی طرف سے پیدائش کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ انسانی ذات نشوونما یافتہ شکل میں نہیں ملتی بلکہ مضمر اور امکانی صورت میں ملتی ہے۔

انسانی ذات کی ماہیت کیا ہے یہ نہ بتایا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کوئی مادی شے نہیں۔ انسانی ذات کو خدا نے ''جدید یا منفرد تخلیق'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے یہ نہ تو طبیعی ارتقاء کی پیداوار ہے اور نہ ہی طبیعی قوانین کے تابع جن کے مطابق انسانی مشینری زندہ اور مصروفِ عمل رہتی ہے۔ انسانی ذات کا مظاہرہ اس کے اختیار وارادہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک غیر مادی ''شے'' ہے جو اختیار وارادہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس اختیار وارادہ کی آزادی میں انتخاب کرنے میں اسے عقل اور علم کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔

جس طرح انسانی جسم کی نشوونما کے قوانین مقرر ہیں' اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی خدا کی طرف سے قوانین دیئے گئے ہیں۔ انسانی جسم کی پرورش اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ شخص خود کھائے یا استعمال کرے۔ اس کے برعکس' انسانی ذات کی پرورش ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ شخص دوسروں کی نشوونما کے لئے دے دے۔ بالفاظِ دیگر' جسم کی پرورش' لینے سے ہوتی ہے ذات کی پرورش ''دینے'' سے اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰیۚ﴿۱۸﴾ (92:18) وہ شخص جو ہر اس چیز کو (مالی یا علمی نوعیت وغیرہ کی) جو اس کے پاس ہے وہ دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیتا ہے تاکہ اس کی ذات کی نشوونما ہو جائے اور جس کی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے وہی مقصدِ حیات میں کامیاب ہوتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰیۙ﴿۱۴﴾ (87:14) لہٰذا انسانی ذات کی نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ انسان اجتماعی زندگی بسر کرے۔ اس کے بغیر اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہوسکتی۔ انسان کو سیاست میں ''تمدنی جانور'' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ معاشرہ کے اندر رہنا اس کی جبلت میں شامل ہے۔ ذات کی نشوونما کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں ہر شخص کی جسمانی ضروریات بھی ب آسانی پوری ہوتی رہیں اور اس کے ساتھ اسے اس کی ذات کی نشوونما کے پورے پورے مواقع اور اسباب وذرائع بھی میسر ہوں۔ ایسے معاشرہ کو قرآن جنتی معاشرہ سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے قانون کے مطابق متشکل ہوا ہو۔ اس میں ہمارا دوسرا گروہ جماعتِ مومنین کا شامل ہوتا ہے جو قرآنی نظریہ قومیت پر ایمان رکھتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْۙ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْۚ﴿۳۰﴾ (89:29-30)۔ تم (جماعتِ مومنین) کی جماعت میں شامل ہو جاؤ اور اس طرح جنتی معاشرہ میں داخل ہو جاؤ۔

یہ بھی یاد رہے کہ نشوونما یافتہ ذات' انسانی جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہوتی' بلکہ بدستور زندہ رہتی اور مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ ایک چیز ہے حیات بعد الممات (Survival after death) اور دوسری چیز حیاتِ جاوداں (Immortality)۔ حیات بعد الممات تو ہر ذی شعور انسان کے لئے ہے لیکن حیاتِ جاوداں صرف اس

ذات کے حصے میں آ سکتی ہے جس کی باقاعدہ نشوونما ہو چکی ہو۔ حیاتِ جاوداں ملنے سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی طبیعی موت کے بعد اسے پھر موت نہیں آئے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں: لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (44:56) یہ لوگ اس میں اس پہلی موت کے علاوہ (جس کا مزہ وہ پہلے چکھ چکے ہیں) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے۔''

لہٰذا وہ زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کریں گے۔

عزیزانِ گرامی قدر! امید ہے دونوں سیکولر اور قرآنی نظریہ قومیت آپ کی نظروں میں آ گیا ہوگا اور آپ قرآنی نظریہ کی اہمیت سے بھی بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے۔

ان دونوں سیکولر اور قرآنی نظریہ قومیت کی وضاحت محترم پرویز نے قرآن کی روشنی میں اپنے مخصوص انداز میں اول الذکر کو مذہب اور دوسرے کو دین کے عنوان سے پیش کر کے کی ہے۔ ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ سیکولر نظام حکومت میں قومیت کا مدارِ اشتراک نسل یا وطن ہے۔ وطن کو ایک خاص خطہ پر محدود کر کے وہاں حکومت انسانوں کے وضع کردہ قوانین سے کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس نظریہ پاکستان پیش کرنے والی دونوں مقتدر ہستیوں نے قرآنی نظریہ قومیت (وحی) پر مبنی اپنے نظریہ پاکستان کو ایمان کا اشتراک قرار دیا اور پوری عالمگیر انسانیت کو خطاب کیا ہے۔ مذہب اور دین کے تقابل میں سمجھنے کی یہ بات اہمیت رکھتی ہے کہ سیکولر (عصری) نقطہ نگاہ سے دین کو مذہب ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس علامہ اقبال اور قائداعظم اپنے نظریات میں مذہب کے لئے کوئی جگہ نہیں پاتے۔ وہ دین اور صرف دین ہی کے تناظر میں نظریہ پاکستان پیش کرتے ہیں۔

پاکستان کے دانشور طبقہ میں قائداعظم کے دین کے نظریہ (جس کی آگے وضاحت کی جا رہی ہے اسے جہالت اور لاعلمی کی بنا پر ان پر سیکولر نظام کے نفاذ کرنے کو منسوب کیا جا رہا ہے۔ قائداعظم کے نظریہ دین کی وضاحت بہت ہی کم پلیٹ فارم سے سنائی دیتی ہے اس لئے کچھ دانشور طبقوں کی نظر میں دین، مذہب ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔ مذہب کی مخالفت تو خود قائداعظم کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور یہ نام نہاد دانشور طبقہ مذہب اور دین کے فرق سے لاعلم ہونے کی بنا پر قائداعظم پر سیکولر ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں۔

لہٰذا ان دونوں نظریات کا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔

مذہب اور دین کا تقابلی جائزہ

مذہب (سیکولر نظریہ)	دین (قرآنی نظریہ قومیت)
1- مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔
2- مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔	دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بنا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

3-مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔	دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔
4-مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔	دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔
5-مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔	دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی سے مخاطب اور اس کا رب' رب العالمین اور رسول رحمۃ العالمین کا مقام رکھتے ہیں۔
6-مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز	دین' انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کا پیغام کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ ستیز
7-مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔
8-مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
9-مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے۔	دین' اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے' حرکت و عمل کا شعلۂ جوالہ بنا دیتا ہے۔
10-مذہب خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی میں مبتلا رکھتا ہے۔	دین' اسے وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
11-مذہب' کائنات کی ہر حسین شے پر منہ بسورنا اور نعمائے خداوندی سے اجتناب سکھاتا ہے۔	دین اعلان کرتا ہے کہ وہ کون ہے جو زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے' جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے (القرآن)۔
12-مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گناہ قرار دینے تک لے جاتا ہے۔	دین کہتا ہے کہ کل یوم ھو فی شان۔ زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں اس لئے جدت طرازی عین تقاضائے حیات ہے۔

13- مذہب اپنے پیغام کے حق کی دلیل میں اسے اسلاف کا دین انسان کی علمی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب مسلک قرار دے کر بطور سند پیش کرتا ہے۔ ان کی طرف سے اور اسلاف کے مسالک پر بلا دلیل پیروی سے منع کرتا پیش کردہ عقائد پر ایمان بلا علم و دلیل لانے پر زور دیا جاتا ہے۔ ہے۔ وہ اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان سے پیش کرتا ہے اور عقل و تدبر سے کام لینے کی تاکید بھی۔

14- مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ دین مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو ہے۔ ان میں سبھی ملوکیت (فرعون)' سرمایہ دارانہ (قارون) آزادی کی دعوت دیتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل اور مذہبی پیشوائیت (ہامان) کے نمائندے باہمی اشتراک سے نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گذار دوسروں کی محنت سے کمائی پر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے بنائے۔ اطاعت صرف خدا (اس کے قوانین) کی کی جا ہر جائز و ناجائز حیلے تراش کر مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔ خود سکتی ہے اور یہ قانون سب کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے مترفین بن کر دوسروں کو محکوم بنا لیتے ہیں۔ تمام نوع انسانی کے لئے مساوات کا پیغام رکھتا ہے۔

اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن نے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے دین ہی کو پیش کیا ہے اور اسے ہی اسلام کا نام دیا ہے۔ لہٰذا مسلم مذہب کی نہیں دین کی اطاعت کرتا ہے۔ عزیزانِ گرامی قدر! محترم پرویز صاحب کے دیئے ہوئے مذہب اور دین کے تقابل سے امید ہے کہ دونوں نظریات کا فرق واضح ہو گیا ہوگا۔ لہٰذا اب وقت آ گیا ہے کہ بات کو آگے بڑھایا جائے۔ ہمیں یہ بات ملحوظِ نظر رکھنی چاہئے کہ قرآنی نظریہ قومیت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے انسانی ذات کی نشوونما کے لئے صرف معاشرہ کی موجودگی ہی کافی نہیں بلکہ ایسے معاشرہ کی موجودگی ضروری خیال کی جاتی ہے جہاں قرآنی اقدار کا عملاً نفاذ بھی ہو جس میں قرآنی معاشرہ کی تمام خصوصیات شامل ہوں۔

قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا۔۔۔؟

1- قرآنی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت بلا تمیز قوم' رنگ' نسل' پیشہ' محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہوگی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ برتری کا معیار یہ ہوگا کہ کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے اور نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر کیا کرتا ہے۔

2- کوئی شخص بے کس و لاچار اور بے یار و مددگار نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی بات سنی جائے گی' اور تکلیف رفع کی جائے گی۔ ہر شخص کو انصاف ملے گا اور بغیر کچھ خرچ کئے ملے گا۔ کوئی صاحب اثر انصاف کے پلڑے کو اپنی طرف نہیں جھکا سکے گا۔

3- کوئی فرد بھوکا ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کے لئے خوراک' لباس اور مکان کا انتظام کرنا معاشرہ کے ذمہ ہو گا۔ یعنی قرآنی معاشرہ ہر شخص کی اور اس کی اولاد کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہوگا۔

4- معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہوگی کہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرے جس سے انسان کی صلاحیتوں کی

نشوونما ہو۔ بالفاظ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کے لئے ہوگا۔

5- ہر شخص اپنی پوری استعداد و محنت سے کام کرے گا۔ صرف وہ افراد کام نہیں کریں گے، جو کسی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو گئے ہوں، یہ نہیں ہوگا کہ کچھ لوگ تو محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جائیں اور باقی لوگ ان کی کمائی پر مفت میں عیش اڑائیں۔

6- ہر شخص اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا جس سے اس کی مناسب ضروریات پوری ہوں۔ باقی اپنے دل کی رضامندی سے حاجت مندوں کی ضروریات کے لئے کھلا رکھے گا۔ ذات کی نشوونما کا یہی طریق ہے۔

7- رزق کے سرچشمے (خواہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا کارخانوں کی صورت میں) قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہیں گے تاکہ وہ افراد معاشرہ کی پرورش کے کام آئیں۔ جب افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہوگی اور رزق کے سرچشمے حاجت مندوں کے لئے کھلے رہیں گے تو کسی کے لئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

8- ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے احکام (قرآن کریم) کے مطابق ہوگا نہ کہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کی مرضی کے مطابق (اس معاشرہ میں گروہوں، لیڈروں اور پارٹیوں کا وجود ہی نہیں ہوگا۔) اس لئے اس میں نہ کسی قسم کا جور ہوگا نہ استبداد، نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی۔ اسے نظام خداوندی یا قرآنی نظام معاشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

9- ہر شخص کھل کر بات کرے گا۔ اس کے دل میں نہ کسی طرف سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہوگا نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال۔ ایک دوسرے پر اعتماد و بھروسہ ہوگا اور فریب کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس طرح گھروں کے اندر سکون اور معاشرہ کے اندر اطمینان ہوگا۔

10- یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہوگا کہ ہر شخص قوانین خداوندی کے محکم اور مکافات عمل کے برحق ہونے پر یقین رکھے گا۔ یہ نظام قائم ہی ان بنیادوں پر ہوگا۔ اس میں قرآن کریم کی مستقل اقدار عملاً نافذ ہوں گی۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ احباب کے دل میں یہ خیال آ رہا ہو کہ ایسے قرآنی معاشرہ کے قیام کا خیال ایک خیالی معاشرہ (Utopia) ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خیالی معاشرہ نہیں بلکہ درج ذیل طریق سے ہر دور میں قابلِ العمل ہے۔

قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے طریقِ کار

جو جماعت کسی مستقل قدر یا غیر متبدل اصول کی پابند نہیں ہوتی، وہ اپنے نظام کو نافذ کرنے کے لئے جو طریق بھی چاہے، اختیار کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک طریق کار کے جائز یا ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو طریق بھی حصولِ مقصد کے لئے ممد و معاون ہو، وہ ان کے ہاں جائز قرار پاتا ہے۔ ان کے برعکس جو جماعت مستقل اقدارِ حیات اور غیر متبدل اصولوں پر ایمان رکھے، اس کے نزدیک ذرائع اور مقصد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد حق پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے ذرائع بھی وہی اختیار و استعمال کر سکتی ہے جو مبنی برحق ہو۔ وہ اس حقیقت پر یقین رکھتی ہے کہ غلط راستہ کبھی صحیح منزل تک نہیں پہنچا سکتا، لہٰذا، جو جماعت قرآن کا نظام نافذ کرنا چاہے وہ کبھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جو قرآن کی رو سے باطل ہو۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری، خلفشار، انتشار وغیرہ قرآن کے نزدیک سخت مذموم اور جھوٹ، فریب، مکاری، عیاری

بدترین جرائم ہیں۔ وہ اس طریق کار کو فساد قرار دیتا ہے اور مفسدین اس کے نزدیک بدترین خلائق ہیں۔ اس کا طریق انقلاب ہے فساد نہیں اور ان دونوں میں جو بنیادی فرق ہے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ آج کل بدقسمتی سے فساد ہی کو انقلاب کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک خارجی دنیا (یا نظام) میں کوئی صحیح تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اس تبدیلی کی متمنی جماعت کے افراد کے قلب و نگاہ میں' قرآنی اقدار کے مطابق تبدیلی پیدا نہ ہو۔ وہ قلب و نگاہ کی اس داخلی تبدیلی کو انقلاب قرار دیتا ہے۔ قلب و نگاہ میں اس قسم کی تبدیلی کا کام' ایک دن کی بات نہیں۔ یہ مرحلہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب بھی ہوتا ہے اور کافی وقت کا متقاضی بھی۔ اس مرحلہ میں صبر طلبی ہی دشواری نہیں ہوتی بلکہ قلب و نگاہ میں تبدیلی پیدا کرنے کا یہ مرحلہ بڑا غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ اس میں بظاہر نہ کوئی حرکت نظر آتی ہے نہ حرارت۔ اس لئے سطح بین نگاہیں اسے ''بے عملی'' سے تعبیر کر دیتی ہیں اور ان کے اس طعن سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود اس جماعت کے زیر تربیت افراد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دنیا بہت آگے نکلے جا رہی ہے اور ہم یونہی اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ لیکن قرآنی جماعت نہ اغیار کے اس قسم کے طعنوں سے متاثر ہوتی ہے نہ خود اپنے اندر کے افراد سے مصالحت کی خاطر اپنا راستہ بدلنے کے لئے تیار۔ خود نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ مومنین کی مکی زندگی کے تیرہ سالہ طول طویل (اور بظاہر بے حس و حرکت) مدت اس صبر طلبیٔ عشق کی مظہر تھی۔ جب اس جماعت کے افراد میں قلب و نگاہ کی ایسی تبدیلی اور سیرت و کردار میں ایسی پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس نظام کے قیام کے لئے عملی قدم اٹھاتی ہے اور اس میں کوئی حربہ ایسا استعمال نہیں کرتی جسے قرآن فساد قرار دیتا ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس منزل کے حصول کے بعد قرآنی معاشرہ کا قیام درج ذیل اقدامات سے ممکن العمل ہوسکتا ہے۔

1- ایک آزاد مملکت اس امر کا اعلان کرے کہ اس کا تمام کاروبار' قرآنِ کریم کے مطابق ہوگا۔

2- قرآنِ کریم میں کچھ احکام و قوانین' متعین شکل میں دیئے گئے ہیں اور بعض اقدار' اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ قرآن کے احکام و قوانین ہوں یا اصول و اقدار' سب غیر متبدل ہیں اور تمام مسلمانوں پر ہمیشہ کے نافذ العمل رہنے کے لئے دی گئی ہیں۔

3- جن اقدار کے صرف اصول دیئے گئے ہیں' مملکت کے ارباب فکر و نظر' نمائندگانِ ملت' ان اصولوں کی روشنی میں' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق' ان سے جزئی قوانین مرتب کریں گے۔ ایسا کرنے میں وہ احادیث' تاریخ' فقہ کو اپنے سامنے رکھیں گے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق' قوانین مرتب کریں گے۔ جو کچھ پیچھے سے چلا آ رہا ہے' اس میں سے جو قوانین ایسے ہوں گے جو قرآنی اصولوں کے مطابق ہیں اور جو ہمارے زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں' انہیں ایسے ہی رہنے دیا جائے گا۔ جن میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی' ان میں تبدیلی کر لی جائے گی۔ جہاں نئے قانون کی ضرورت ہو' نیا قانون بنا لیا جائے گا۔ اس طرح قرآن کے اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر وضع کردہ قوانین' زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ' بدلتے جائیں گے۔ یوں مستقل اور قابل تغیر و تبدل عناصر کے حسین امتزاج سے' کاروانِ ملت آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

مرتبہ: اقبال ادریس ایڈوکیٹ، سوات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پرویز علیہ الرحمۃ کا یومِ پیدائش اور سوشل میڈیا

(9 جولائی کو پرویز علیہ الرحمہ کے یومِ پیدائش پر سوشل میڈیا، فیس بک پر درجنوں تہنیتی خراجِ تحسین پوسٹ کئے گئے جن میں سے چند منتخب پوسٹس پیشِ خدمت ہیں)



انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

بزم طلوع اسلام سوات نے ملک وملت کے ایک عظیم محسن، مفکر ومفسر قرآن کریم، تحریک پاکستان کے ہراول دستے کے مجاہد، فکر اقبال کے امین اور شارح، اور قائدِ اعظم کے دینی مشیر علامہ غلام احمد پرویز علیہ رحمہ کے یوم ولادت، یعنی 09 جولائی کو یومِ پرویز کے نام سے انتہائی عزت واحترام سے منایا۔ پروگرام کے آغاز میں علامہ پرویز کے حوالے سے 33 منٹ کی ایک دستاویزی فلم (جہانِ پرویز) پیش کی گئی۔ اور بعد میں علامہ پرویز علیہ رحمہ کی زندگی، علمی معرکہ آرائیوں اور تحریک پاکستان میں ان کے بھرپور کردار پر روشنی ڈالی گئی۔ چند تصویری جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔ (خورشید انور)

آج عظیم مفکر، مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویز صاحب کا یوم پیدائش ہے، آج کے دن یہ روشن ستارہ برصغیر جہاں جہالت نے صدیوں سے ڈیرے جمائے ہوئے تھے، ہزار سال بعد یہ واحد مردِ مجاہد پیدا ہوا جس نے قرآن کریم کو جو کہ عجمی تصورات کے تابع ہر قسم کے غیر اسلامی تراجم مفاہیم عقائد کی موٹی موٹی اور دبیز تہوں میں لپیٹا جا چکا تھا اور پہلے سے موجود حقائق کو جن پر بے شمار پردے ڈال دیئے گئے تھے ایک ایک پردے کو ہٹایا اور اس طرح قرآن کریم اپنی منزہ وصاف شکل میں قوم کے سامنے پیش کر دیا اس مجاہد اعظم نے وقت کی بوجہلیت و بولہبی کے سامنے سینہ سپر ہو کر قرآن کریم کی روشنی سے ذہنوں کو منور کیا امامیات کی مہربانیوں کا پردہ چاک کر کے اس مردِ درویش نے قرآنی علوم کی طرف عقلیت کی بات کی، علامہ صاحب کی سب سے خوبصورت بات' وہ فقط قرآنی طالب العلم تھے قرآنی مفکر تھے طابعِ قرآن مجید تھے۔ نہ ادب کا قرینہ چھوٹا نہ حدود سے تجاوز، قرآن مجید کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم ہو کر لکھا شعور کے دروازے دستک سے کھولے حکمت اور محبت کی چاشنی کو برقرار رکھا مخالفین کا نام بھی احترام سے لیا، اور علامہ صاحب نے اپنے متعلق کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا انہوں نے خود کو قرآن کریم کے طالب علم سے زیادہ کبھی کوئی حیثیت نہیں دی ان کی تحاریر و تقاریر اس کی گواہ ہیں، علامہ صاحب کی دینی خدمات بہت بڑی ہیں اُنہوں نے قرآنی اسلام کو منظر عام پر لانے کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے اور یہ قربانیاں ضرور رنگ لائیں گی۔ (داؤد مومند)

ایک ہزار سال بعد جس نے آ کر سمجھایا کہ تم پر صرف اور صرف قرآن فرض قرار دیا گیا ہے، یہ کہنے کے بعد اسلام پر لگے ایک ہزار سالہ انسانی تاریخ کے وہ تمام اعتراضات، شکوک وشبہات ایسے دور ہو گئے کہ، گویا قرآنی تعلیمات پر انسانی خیالات کی گرد خود بخود صاف ہو گئی، یہ تھیں اس مردِ مومن، مردِ حقیقت شناس کی جگر سوز مشقتیں، جو نہ کسی کے سامنے حق بات کرنے سے رکا بلکہ ایسے ڈٹ کر، جم کر کھڑے رہے، مذہبی پیشوائیت کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملی، پوری دنیا کے علماء سوء نام نہاد عجمی ملاؤں نے ان پر فتووں کی ایسی بوچھاڑ کر دی کہ تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

قرآنِ کریم کو بلا سمجھے پڑھنے کے متعلق علامہ پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''ہم پوچھتے ہیں کہ کیا دنیا میں کوئی اور کتاب بھی ایسی ہے جسے آپ بلا سمجھے پڑھتے ہیں کسی ایسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب تو ایک طرف رہی جسے آپ جانتے ہی نہ ہوں، اگر کتاب کی زبان آپ جانتے ہوں اور وہ کتاب آپ کی استعداد سے زیادہ مشکل ہو تو بھی آپ اسے نہیں پڑھیں گے کہ جب کچھ پلے ہی نہیں پڑتا تو پھر اسے پڑھا کس لیے جائے۔ جب یہ کیفیت ہے تو پھر قرآن کو کیوں اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے؟

کتاب پڑھنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آپ اس کتاب کے مضامین (Contents) کو سمجھ سکیں۔ اگر آپ اس کے مافیہ کو نہیں سمجھ سکتے تو اس کا پڑھنا آپ کو کیا فائدہ دے گا۔ یہ ایک عام سمجھ کی بات ہے۔

پھر معلوم نہیں کہ ''مذہب'' کے معاملہ میں سمجھ کو کیوں الگ رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن ایک کتاب ہے اور اس میں لکھا ہے



کہ تمہیں دنیا میں زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کتاب کو پڑھا اس لیے جائے گا کہ سمجھا جائے، اور سمجھا اس لیے جائے گا کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ کہیئے! اس کے الفاظ کو دہرا لینے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا؟

قرآن اپنے آپ کو ''کتاب مبین'' (ایک واضح کتاب) کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری زبان ''عربی مبین'' (صاف اور سلیس واضح عربی زبان ہے)۔ وہ اپنے آپ کو ہدایت (راہنمائی) اور نور (روشنی) بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں قوموں کے عروج و زوال کے بین اصول منضبط ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ اس میں ارتقاء شرف انسانیت کے قوانین و آئین مندرج ہیں۔ وہ اپنے مضامین پر بار بار دعوت غور و فکر دیتا ہے۔

وہ ہر صاحب فکر و نظر کو اس میں تدبر و تفکر کے لئے تاکید کرتا ہے۔ وہ اس میں تدبر نہ کرنے والوں کو سطح انسانیت سے گرا ہوا قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عقل کی آنکھ کے لیے سورج کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کا یہ مقصد بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں قرآن پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ اسے بلا سمجھے پڑھا جائے۔ آپ کسی مصنف سے یہ کہیں کہ میں تمہاری کتاب کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن اس کے باوجود ہر روز اسے پڑھتا ہوں حتیٰ کہ مجھے وہ زبان بھی نہیں آتی۔ جس میں تم نے کتاب لکھی ہے۔ اس کے باوجود اس کے الفاظ کو دہراتا ہوں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ وہ مصنف آپ کو کیا جواب دے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ امت کو قرآن سے دور لے جانے کا سب سے موثر حربہ یہ تھا کہ اس کے دل میں اس خیال کو راسخ کر دیا جائے کہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھنے سے بھی ''ثواب'' حاصل ہوتا ہے۔ یہ ان سازشوں میں سے بڑی سازش تھی جو دنیا میں اس عظیم المرتبت قوم کو اس کے مقام سے گرانے کے لیے سوچی گئی۔ (ہم جانتے ہیں کہ وہ مسلمان جن کی زبان عربی ہے یا عربی جانتے ہیں، وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی ذلیل و خوار ہیں۔ لیکن اس کے لیے وجوہات ہیں) جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں

یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ''ثواب'' ہوتا ہے۔ یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ درحقیقت عہد سحر (Age of Magic) کی یادگار ہے۔

جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ الفاظ اپنے اندر تاثیر رکھتے ہیں (معنی نہیں بلکہ الفاظ) یہ قرآنی اعمال: تعویذ، نقوش، وظائف، اوراد، سب اسی عقیدہ کی مستعار شکلیں ہیں۔ قوم ہزار برس سے ان توہمات میں الجھی چلی آ رہی ہے اور ان سے نجات کی بھی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ قوم کو جہالت کی ان وادیوں میں گھیرے رکھنے سے ایک طبقہ کی روٹی وابستہ ہے۔ اس لیے وہ اسے ظلمات سے نکلنے ہی نہیں دیتا۔

جب اللہ کا کوئی بندہ اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو بھوک کا تصور اس طبقہ کو ہر قسم کی مخالفت کے لیے کمربستہ کر دیتا ہے اور اس آواز کو ''مذہب اور سلف صالحین کے طریقہ'' کے خلاف قرار دے کر عوام کے جذبات مشتعل کر دیتا ہے۔

یہی ہے مترفین اور دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرنے والوں کا وہ گروہ جو ہمیشہ حق کے خلاف محاذ قائم کرتا ہے، اور آج بھی یہی کچھ کر رہا ہے۔ اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن (حضرت) موسیٰ کا وہ اژدہا ہے جو ان ساحرین کی نگاہ فریب رسیوں کو صاف نگل جائے گا۔ اس لیے وہ قرآن کریم کو قوم کے سامنے کبھی بے نقاب نہیں ہونے دیں گے، اور اس کے لیے وہ ان پڑھوں کو قرآن کے الفاظ دہرانے کے ''ثواب'' اور لکھے پڑھوں کو اسرائیلی روایات پر مشتمل تفاسیر کے فریب میں مبتلا رکھیں گے، تاکہ

ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

تحریک طلوع اسلام

بیسویں صدی کی وہ عظیم شخصیت، قوم عجمی اسلام کی سازش کے تحت بخاری کی روایات کو صدیوں تک حقیقی اسلام جان کر بغیر عقل و بصیرت ایمان لا کر چند رسوم کو عین اسلامی شعائر سمجھ کر زندگی گزار رہی تھی، اور دن بہ دن انحطاط پزیر ہوتی جا رہی تھی، محراب و منبر سے اٹھنے والے پند و نصائح نے غور، فکر اور تدبر پر پابندی لگا کر من حیث القوم صلاحیتوں کی نشوونما کو جہیم کر دیا تھا، اس پر آشوب دور میں اس عظیم شخصیت نے تن تنہا بخاری و عجمی اسلام اور قرآن دشمن تعلیمات کو وحی کی رو سے براہین و دلائل دے کر یکسر مسترد کر دیا، جس سے ان کو شمال سے جنوب اور شرق و غرب سے تنقید و بے دلیل اختلاف و افتراق کا سامنا کرنا پڑا اور تاریخ میں سب سے زیادہ کفر کے فتوؤں کا سامنا کرنا پڑا، حساس طبیعت کے مالک ہونے کی بنا پر دل رنجیدہ بھی ہوئے، لیکن دل و دماغ چونکہ اندھی تقلید پہ مائل نہ تھا اور ایمان اور قوم کا درد راسخ ہونے کی بنا پر نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے لیئے اک نقش پا اور نمونہ تھا جس کی بنا پر ان کے ایمان میں شائبہ کی حد تک بھی لغزش نہ آسکی۔

قوم کی جمود زدہ اور مردہ حیات میں تدبر اور غور فکر کی قرآنی شمع روشن کر کے جمود کو توڑتے ہوئے حیات نو کی نوید دی، جس پر قوم کے باشعور اور مروجہ اسلام سے نالاں افراد نے لبیک کہا اور آج الحمدللہ قوم شعور و آگہی کا زادراہ لیکر، اور قرآنی شمع فکر کی

روشنی میں اپنے نصب العین کی طرف رواں دواں ہے، شمع کو جلا کر خود اس دنیا سے راہ عدم ہو گئے۔ میں اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اے اللہ۔۔انہیں اپنی انعام یافتہ شخصیات میں مقام دے، آمین ان کی بے شمار کتابیں ہیں مثلاً مفہوم القرآن، تبویب القرآن، لغات القرآن، قرآنی قوانین، شاہکارِ رسالت، خدا اور سرمایہ دار، ختم نبوت اور تحریک احمدیت، پاکستان کا معمار اوّل اور بھی بہت ساری کتابیں ہیں انٹرنیٹ پر سرچ کریں (علامہ غلام احمد پرویز) خود پڑھیں اور گھر والوں کو پڑھ کے سنائیں ان شاءاللہ زندگی بدل جائے گی اپنے رب کو پہچاننے والے بن جاؤ گے۔

منجانب خادم حسین (کاپی)

علامہ پرویز صاحب برصغیر کے افق پر چمکتا ہوا ایک درخشندہ ستارا تھا، جس کی کرنیں آج بھی ہمارے دلوں کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ آج اس دور میں خالص قرآن کی خوشبو جہاں سے بھی ملتی ہے صدقہ ہے اس عظیم شخصیت کا۔

ایک ہزار سال بعد جس نے آکر سمجھایا کہ تم پر صرف اور صرف قرآن فرض قرار دیا گیا ہے، یہ کہنے کے بعد اسلام پر لگے ایک ہزار سالہ انسانی تاریخ کے وہ تمام اعتراضات، شکوک وشبہات ایسے دور ہو گئے کہ، گویا قرآنی تعلیمات پر انسانی خیالات کی گرد خود بخود صاف ہو گئی، یہ تھیں اس مردِ مومن، مردِ حقیقت شناس کی جگر سوز مشقتیں، جو نہ کسی کے سامنے حق بات کرنے سے رکا بلکہ ایسے ڈٹ کر، جم کر کھڑے رہے کہ، مذہبی پیشوائیت کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملی، پوری دنیا کے علماء سو نام نہاد عجمی ملاوں نے ان پر فتووں کی ایسی بوچھاڑ کر دی کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

علامہ پرویز صاحب برصغیر میں وہ عہد ساز شخصیت تھے جنہوں نے دنیا کو صحیح قرآنی فہم فلسفہ اقبال تحریک و قیام پاکستان کی اصل غرض و غایت سے صحیح معنوں میں روشناس کرایا، وہ ملک وقوم کا درد رکھنے والے نہایت سادہ مخلص اور مہذب انسان تھے، جس نے بھی ان کو دل سے سنا وہ ان کی سچائی اخلاص علم وفکر قرآنی کا گرویدہ ہو گیا، ان کی ان صفات کو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے دنیا کو عقلمندی سے سوچنا، شائستگی و نرمی سے بولنا اور خلوص دیانت و پاکیزگی سے جینا سکھایا۔

علامہ پرویز صاحب دنیا کے عظیم مفکر قرآن ہی نہیں بلکہ عربی فارسی اردو انگریزی ادب نثر اقبالیات وفلسفہ اقبال پر کامل مہارت رکھتے تھے اور اسی طرح سائنس فلسفہ مذاہب تاریخ سماجیات معاشیات سیاسیات ادب وفنون لطیفہ وغیرہ پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے، علامہ صاحب ایک عظیم قومی ہیرو اور بلاشبہ بہت بڑے دانشور نابغہ Genious اور Legend تھے۔

(انیسہ رستم)' (یہی مضمون شیریں محمد نے بھی فیس بک پر پوسٹ کیا ہے)

9 جولائی علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کا یوم پیدائش ہے۔ دنیائے اسلام کی ہزار سالہ تاریخ کا وہ سورج جس نے خالص

قرآن میں تدبر کر کے چار دانگ عالم کو روشن کیا۔ اقبال کے بعد پرویز صاحب بے شک ایک عظیم قرآنی مفکر ہیں۔
اللہ آپ کو بلند درجات عطا کرے!!

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

عبدالمعبود بدایوں (یوپی) انڈیا

بابا جی کا یومِ پیدائش آپ کی قرآن فہمی میں خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جب بھی کہیں قرآن کریم کی مملکت قائم ہوگی۔ آپ کی تحقیق سے ضرور استفادہ کرنا پڑے گا۔ آپ کی ساری زندگی قرآن کی خدمت میں گزری ہے۔ آج بھی آپ کے سب مخالفین آپ کی تقاریر اور آپ کی تحروں سے نقل مارتے ہیں۔ خود کو مفکر منوانے کے لیے آپ کی تحریریں کاپی کر کے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے آمین (خادم حسین)

اس میں کوئی شک نہیں علامہ اپنی ذات میں ایک شمع نورانی اور عالم اسلام کے عظیم اسکالر تھے۔ اس تن تنہا مرد بزرگ نے وہ کام کر دکھایا جو قرآن کے طالبعلم کو قرآن فہمی کے حوالے سے بہترین بنیاد فراہم کرتا ہے۔
انہوں نے اپنی پوری زندگی اس مقصد عظیم کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اپنی آخری سانس تک مسلسل حصول مقصد کی طرف گامزن رہے۔
علامہ کی ان کوششوں پر انہیں خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین عملی طریق یہ ہے کہ جو مقاصد علامہ حاصل کرنا چاہتے تھے اپنے آخری دور میں جہاں ان کے ساتھ زندگی مزید وفا نہ کرسکی ان کے ادھورے خواب اور مقاصد کے آگے فل اسٹاپ نہیں لگنے دینا چاہیے بلکہ ون مشن ون ٹیم کے تحت جاری وساری رکھنا چاہیے۔
ورنہ اگر ہم صرف واہ واہ بابا جی کہنے پر اکتفا اور گزارہ کرتے رہے تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اس عظیم اسکالر کے ساتھ جس کی فکر کو کسی قیمت بھی رک کر صرف عقیدت مندی کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہیئے بلکہ مزید آگے بڑھنا چاہیئے۔ یہ کام صرف وہ لوگ ہی سرانجام دے سکتے ہیں جو واقعی علامہ کے مشن سے پوری طرح متفق اور مخلص ہوں۔ (فیصل خان)

پرویز صاحب ایک انسان تھے۔ قرآن مجید نبی کریم ﷺ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا وہ (ﷺ) مامور من اللہ تھے پرویز صاحب امتی اور امتی ہونے کا حق ادا کرنے والے، انہوں نے ہر طریقہ سے قرآن مجید کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے الحمدللہ نتائج شروع ہو گئے ہیں یہ بھی سچ ہے کہ قرآن مجید پر انسانی فہم میں حرف آخر آخری انسان ہی ہوگا مگر پرویز صاحب نے جیسے کتاب الٰہی کا حق ادا کیا ہے فی الحال بلکہ آنیوالے کئی ہزار سال میں ان جیسا نظر آتا دکھائی نہیں دیتا استقامت کا پہاڑ اکیلا تن تنہا باطل کے سامنے نہ صرف ڈٹ کر کھڑے رہے بلکہ اتنے مضبوط دلائل کے ساتھ اعلیٰ ترین ادب میں قرآنی آیات کی تفہیم پیش کی کہ ان کے نقال تو نقال ان کے مخالفین بھی ان کو پڑھ کے بولنے اور لکھنے کے لئے لفظ تلاش

کرتے ہیں پرویز صاحب یقیناً اصحاب رسول ﷺ کے بعد قرآن مجید کے ذہین ترین وکیل ہیں اللہ تعالی ان کے لئے یقیناً جنتوں کو سنورنے کا فرمان جاری کر چکا ہوگا انشاء اللہ آمین

سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ جس بات پر پرویز صاحب کے ہاتھ چومے جانے چاہیے تھے کہ انہوں نے امت کو روایت اور حدیث کا فرق سمجھایا مگر افسوس صد افسوس مروجہ مفتیان وعلماء نے الٹا کفر کے فتوے جڑ دیئے اور لوگوں کو قرآن مجید سے دور کر دیا اب اسی جہالت کے بدترین نتائج ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ (پرویز اقبال)

پرویز صاحب کے متعلق لوگ کیا جانتے ہیں؟ صرف یہی جانتے ہیں کہ وہ 9 جولائی کو پیدا ہوئے تھے یا کچھ اور بھی جانتے ہیں؟ ان کی پیدائش کے دن پر آج انتہائی مختصر تحریر جو ان کی کاوشوں کو سامنے لانے میں معاون ہوگی پیش کر رہا ہوں۔

(1) پرویز صاحب کی تحریروں کا ایک حصہ اقبالیات پر منحصر ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کو سامنے لانے اور قرآن سے ان کی فکر کی جو تطبیق ہے اس کو ابھار کر اور نکھار کر انہوں نے پیش کیا ہے۔

(2) پرویز صاحب کی تحریروں میں تصوف مخالف مواد آپ کو جا بجا قدم قدم پر ملے گا۔ تصوف کو ہر زاویئے سے وہ قرآن مخالف، انسانیت سوز تعلیم اور معاشرے کے لیے نظام کا سرطان سمجھتے تھے۔

(3) پرویز صاحب حدیث شکن نہیں تھے۔ وہ حدیث کے مقام کو متعین کرنے کی فکر رکھتے تھے۔ ذخیرہ حدیث کیلئے اوّل تو کوئی متفقہ متعین مقام نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں حدیث کے متعین مقام کو پیش کرنے کی صرف جسارت کی ہے۔ اور اپنی اس کوشش کو سند کے طور پر پیش نہ کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ صرف مقام حدیث کے تعین کی ایک کوشش ہے۔

(4) قرآن مجید کے ترجمہ سے بات سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا وہ مفہوم لینے کے قائل تھے۔ ہر ترجمہ حاشیئے اور تشریح کا محتاج ہوتا ہے۔ انہوں نے آیت کا ترجمہ اپنے مفہوم القرآن میں پہلے بغیر بریکٹ کے دیا ہے۔ اور اپنا مفہوم ساتھ ساتھ بریکٹ میں لکھا ہے اور مفہوم کے ثبوت کیلئے مطلوبہ آیت کا حوالہ نمبر بھی دیا ہے۔ مفہوم القرآن میں چونکہ وہ نظم آیت کو ضروری سمجھتے تھے لہٰذا سیاق اور سباق کی تصریف آیات پر روشنی ڈالے بغیر وہ مفہوم کو مکمل تصور نہیں کرتے تھے۔

(5) انہوں نے لغات القرآن کیوں لکھی؟ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ پر انہوں نے جب نظر ڈالی تو نتیجہ یہ حاصل کیا کہ دین کے احکام اور اصول مہجور ہو چکے ہیں۔ احکام اور اصول کی جگہ جزئیات اور رسوم نے لے لی ہے۔ مسلمانوں کی ساری توجہ جزیات اور رسوم پر ہے۔ پرویز صاحب نے اپنی تحریروں میں اس حادثے کو کہ ایسا مسلمانوں کے ساتھ کیوں ہوا۔ نہ صرف یہ کہ بیان کیا بلکہ اس کی وجوہات کو بھی بیان کیا اور اس کا حل بھی پیش فرمایا ہے۔ سب سے بڑی وجہ ان کے سامنے یہ تھی کہ قرآن مجید کو بنیادی اکائی کی حیثیت نہیں دی گئی ہے۔ اگر قرآن مجید کو دین میں بنیادی اکائی کی حیثیت دی جاتی ہے تو سب سے بڑا سوال قرآن مجید کو سمجھنے کا سامنے آتا ہے۔ کہ قرآن مجید کو کیسے سمجھا جائے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے کچھ طریقے رائج تھے۔

جس میں ایک شان نزول کے ذریعے سے قرآن مجید کو سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا ذریعہ تفاسیر کے ذریعے سے۔ اس کے علاوہ ایک ذریعہ روایات کے ذریعے سے بھی سمجھنے کا ہے۔ ان سارے ذرائع کی بنیاد پر ترجمہ قرآن نہیں لکھا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن لکھنے کی بنیاد اوّل اوّل قرآن کے الفاظ کے عربی مرادف الفاظ کو سامنے لاکر رکھی گئی ہے۔

اس کے بعد دوسری زبان رکھنے والوں نے ان مرادف الفاظ کے اپنی اپنی زبانوں میں معنی ڈھونڈ کر رکھ لئے ہیں۔ مرادف لفظ آپ کی معاشرتی معاشی سیاسی ضرورتوں کو تو پورا کرسکتا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم جیسے عظیم کلام کو سمجھنے میں معاون نہیں ہوسکتے۔ شان نزول، تفاسیر، روایات، ترجمہ یہ سارے ذرائع قرآن کی تعلیمات کو پیچیدہ کرنے کا باعث بنتے ہیں مبصرین اعتراف حقیقت کرتے رہتے ہیں۔ ضخیم ترین عربی لغات موجود تھیں۔ مسلمانوں اور غیروں نے بھی عربی زبان پر بہت بڑا کام کیا ہے۔ پرویز صاحب نے اس سمندر سے قواعد اور اصولوں پر مبنی معنی کے وہ موتی چن لئے جن میں قرآن مجید کی آیات کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ ان معنی کے موتیوں میں قرآن کے کلام کا عکس نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں علم کے چہار زاویوں سے حتی المقدور کوشش سے بڑھ کر قرآن مجید کی تعلیمات سے دلائل اور ثبوت بھی پرویز صاحب نے فراہم کئے ہیں۔

(6) قرآن میں قصص الانبیاء کو انہوں نے مروجہ ڈگر سے ہٹ کر دیکھنے کی کوشش کی اور اسی طریقے سے سمجھا بھی اور سمجھایا بھی ہے۔ کیونکہ انبیاء کے قصص کو قرآن آیات بینات کہتا ہے۔ اور آیات بینات غور وفکر اور تدبر کی متقاضی ہوتی ہیں۔ اور ہدایت کے لئے ہوتی ہیں اسی لئے راستے کو متعین کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کی تشریح لغت کے ذریعے کرنا ضروری ہے۔

(7) احکام کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اس کا تو ترجمہ بھی ہوجائے تو کافی ہے۔

(8) قرآن میں جو حقائق سامنے آتے ہیں۔ یا جہاں اصول پیش کئے گئے ہیں۔ مروجہ طریقوں سے اگر ان کی تشریح اور تفسیر کی جائے۔ تو بے شمار اختلافات سامنے آتے ہیں۔ اور صحیح بات پر اتفاق ناممکن ہے۔ یہ جو عقائد میں اختلافات آپ کو نظر آتے ہیں یہ اسی وجہ سے ہیں۔ جہاں عقائد کا اختلاف ہو وہاں پر قرآنی قوانین کی متفقہ جزیات مرتب نہیں کی جاسکتیں۔ امت فروعات میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔

(9) کچھ قرآن مجید کے ایسے کلمات بھی ہیں جو اصطلاحات کا درجہ رکھتی ہیں۔ جیسے رب، اس پر انہوں نے پوری ایک کتاب نظام ربوبیت کے حوالے سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ مسئلہ تقدیر چونکہ ہمارے معاشرے کا اجتماعی طور پر عقیدے کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا اس پر بھی ایک خصوصی کتاب انہوں نے لکھی ہے۔ اللہ کے تصور کو قرآن مجید کیسے بیان کرتا ہے اس کے لئے ضروری تھا کہ الگ سے کوئی تصنیف لکھی جائے جو کہ انہوں نے لکھی ہے۔ انسان کی زندگی، مرنے کے بعد کیا ہوگا جنت جہنم ملائکہ رسالت وحی ایمان یہ قرآن کے بڑے بڑے موضوعات ہیں بڑی بڑی اصطلاحات ہیں قرآن مجید کی تعلیمات ان کے گرد گھومتی ہیں۔ لہٰذا اسپر خوب خوب لکھا ہے۔

(10) اس کے علاوہ بے شمار مقالہ جات اور تحریریں قرآن مجید کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ روشن اور اجاگر کرنے

کے لئے اور اس لئے کہ قرآن مجید کو کن بنیادوں پر اور کیسے سمجھا جائے۔ اس سوال کے تسلی بخش جواب کے لئے انہوں نے لکھے ہیں۔ (یوسف سیجا)

یہ انسان بہت قدآور انسان تھا:

ساری زندگی قرآنِ کریم کو سمجھنے اور سمجھانے پر وقف کر دی دنیاوی اعتبار سے بھی ایسے بلند مقام پر تھے کہ چاہتے تو مال و دولت کے انبار جمع کر سکتے تھے۔

قائداعظم کے رفیق خاص تھے قائد نے ان سے کہا تھا کہ ایک تو آپ بیوروکریسی کے لیے کچھ اچھے افراد کی سفارش کریں سفارش تو خیر انہوں نے کر دی ہوگی لیکن کبھی بتایا نہیں بہر حال۔

دوسرا قائد نے ان سے کہا تھا کہ تم اپنے لیے جو پوسٹ چاہتے ہو وہ لیاقت علی کو صرف بتا دو باقی میں دیکھ لوں گا لیکن یہ مرد مومن خودداری و ہمت کا کوہ بلند۔ ناں ناں اس انسان کی غیرت نے یہ کبھی گوارا نہیں کیا۔ اس عظیم انسان نے جب دیکھا کہ نظریہ پاکستان تو کچھ اور ہی تھا اور اب جس طرف وطن عزیز کو لے جایا جا رہا ہے وہ تو کچھ اور ہی ہے۔

یہ تن تنہا شخص اس کا ساتھ دینے والا بھی کوئی نہیں۔ اس انسان نے ایک عظیم فیصلہ کیا۔ خود کو قرآن کریم میں غرق کر دیا۔

عزیزان ان کا دوسرا دور درسِ قرآن اس کی گواہی دیتا ہے، قبل از وقت پینشن لے لی سادہ سی زندگی گذارتے تھے مال و دولت کی کوئی ہوس و حرص نہیں تھی۔

طلوعِ اسلام رسالہ اور کتابوں کی تمام آمدن صرف قرآنی تعلیم کی نشر و اشاعت پر صرف کی کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے حتیٰ کہ قائداعظم نے بھی ڈونیشن دینا چاہا تھا لیکن یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر مجھے کبھی آپ کے خلاف لکھنا پڑ گیا تو میرے لیے مسئلہ بن جائے گا۔

آہ کیا بات تھی اس مرد مومن کی کوئی اپنے مقلد پیروکار نہیں بنائے چندے نہیں لیے زکوٰۃ جمع نہیں کی ایک بیش بہا نایاب نادر قرآنی خزانہ مرتب و مدون کیا ایک ادارہ بنایا اور چلے گئے۔

بظاہر یہ عظیم انسان ناکام رہا لیکن درحقیقت یہ عظیم انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ احباب طلوعِ اسلام بیشک پرویز صاحب کا ادارہ ہے لیکن دراصل یہ کسی کا ادارہ نہیں یہ ہر قسم کی عصبیت و فرقہ بندی و پارٹی بازی سے آزاد ادارہ ہے یہ ہمارے لیے ایک پلیٹ فارم ہے اسے قائم و دائم رہنا چاہیے یہ اُمید کی واحد روشنی ہے کبھی اگر وطن عزیز میں جنتی معاشرہ قائم ہوا اگر کبھی ایسا ہوا تو یہ پرویز علیہ رحمہ کی جگر سوزیوں کے طفیل ہی ہوگا۔

میں تو کسی کے متعلق بدگمان نہیں ہوتا لیکن بعض اوقات ایسے سامنے آتے ہیں کہ بہت دکھ ہوتا ہے روپیہ پیسا اور عقیدت کی بھوک انسان کی عقل و خرد سلب کر لیتی ہے۔ (ایس اے رحیم)

پرویز علیہ الرحمۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الانعام، آیت 94

درسِ قرآن

وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّتَرَکۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰکُمۡ وَرَآءَ ظُہُوۡرِکُمۡ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَکُمۡ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّہُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

انسانی زندگی کا اہم مسئلہ میرٹ کی بنیاد کا مہیا کرنا ہے اضافی تصورات کا نہیں:

عزیزانِ من! آج اکتوبر 1971ء کی 24 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الانعام کی آیت 94 سے ہو رہا ہے (6:95)۔

سابقہ آیت میں کہا یہ گیا تھا کہ یہ خدا پر افتراء باندھنے والے انسانوں کی خودساختہ شریعت کو خدا کی شریعت بتانے والے یہ کشف والہام ووحی کے مدعی یہ کہنے والے کہ وحی بھی Intuition یا وجدان ہی کی قسم کی ایک چیز ہے انہیں تم دیکھو گے کہ جب پھر موت کے بعد ان کی کیفیت کیا ہوگی جب ان کے Unconscious اور Conscious Mind کی کشمکش نکھر کر باہر آ جائے گی۔ یہ بات پچھلی آیت میں آ رہی تھی اسی کے تسلسل میں اب آگے بات چلتی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے آخر میں اشارتاً عرض کیا تھا اتنی عظیم حقیقت اس آیت کے اندر بیان کر دی ہے۔

خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تنہا پیش ہونے کا حقیقی مفہوم:

چودہ سو سال پیشتر تو شاید کسی کے قیاس وگمان وخیال اور وہم میں بھی نہ آ سکتی ہوگی۔ ہمارے اس دور میں یہ چیز کچھ ابھر کر سامنے آ رہی ہے اگرچہ وہ اس Reality اور حقیقت کے مقام تک ابھی نہیں پہنچی جہاں تک قرآن پہنچاتا ہے لیکن اس کے قرائن اور شواہد ضرور سامنے آ رہے ہیں۔ آیت ہے وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (6:94) عام ترجمہ تو اس کا یہی کیا جاتا ہے کہ تم ہمارے حضور تنہا آؤ گے جیسا کہ تمہیں پہلی بار پیدا کیا گیا۔ یہ تنہا آنے کا جو تصور ہے یعنی یہ کہ وہاں صرف اللہ میاں ہونگے اور ایک ایک آدمی تنہا وہاں جائے گا جیسے ہمارے ہاں انٹرویو میں عام طور پہ یا Interogation کے وقت میں ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ یہ چیز قرآن کے تصور کے خلاف ہے بات اگر یہی ہو کہ میں ہوں اور صرف خدا ہو کوئی اور وہاں نہ سننے والا ہو نہ دیکھنے والا نہ جاننے والا کہ میں نے کیا کیا اور وہ کہ جسے آج بھی معلوم ہے

کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا چھپا رہا ہوں جو دل میں گذرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے اگر معاملہ تنہا اسی سے ہے اور خلوت میں یہ سب کچھ ہونا ہے ''کمرے اچ جوتیاں وی پے گیاں چارتے تاں کی ہو گیا' باز وجھاڑ دے باہر آ گئے''۔

انسانی زندگی کے سب سے بڑے جہنم کی نوعیت:

قیامت تو عزیزانِ من! یہ ہے کہ وہاں یہ سب ہونگے جو آج ہمارے سامنے ہیں جن سے ہمارا معاملہ پڑا جن سے ہم نے بہت کچھ چھپایا کہ جو ہم ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے جن میں ہم بڑے معتبر بنے رہے بڑے دیانتدار بنے رہے بڑے ایماندار بنے رہے بڑے شریف انسان بنے رہے جن سے بڑے گہرے دوستان مخلصانہ تعلقات کے دعوے کرتے رہے جن میں اس طرح سے زندگی گذاری کہ خود کچھ تھے انہیں کچھ بن کے دکھایا۔ قیامت تو یہ ہے کہ وہ سب وہاں سامنے ہونگے اور جو کچھ چھپایا ہوا ہوگا ان سے وہ بالکل سامنے آ جائے گا اس طرح کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکے گا۔ جیسا کہ میں اس سے پیشتر بھی کئی بار کہہ چکا ہوں اس سے بڑا جہنم کا عذاب اور کیا ہوسکتا ہے عزیزانِ من!۔ یہاں زندگی بھر میں کسی کی ایک بات ایسی چھپائی ہوئی جو کسی دوست سے کسی معاملے والے سے چھپا کے رکھی ہو منافقت برتی ہو وہ اگر کسی وقت کھل جائے اس کے سامنے' باقی زندگی انسان اس کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اور جہاں یہ صورت ہو کہ ہر شے ہر بات جو کسی سے چھپائی اسے کچھ بن کے دکھایا تھے کچھ اور' وہ ہر شے سامنے آ جائے اور وہ وہاں ہو موجود اور انکار کی وہاں گنجائش نہ ہو جہنم تو یہ ہے۔ اور پھر قرآن تو خود بتاتا ہے وہاں کہ ہر امت اپنے امام کے ساتھ بلائی جائے گی مجرم جیسے آئے گا وہ بالکل نقشہ اس قسم کا ہے کہ ایک صائب ہوگا ایک ہوگا پیچھے سے ہانکنے والا دھکیل دھکیل کے آگے لے جانے والا۔ وہاں یہ سب ہونگے ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے ان کی باہمی گفتگو ہوگی ان کے مکالمات ہونگے۔ قرآن تو یہ سارا کچھ دیتا ہے۔ اس لیے یہ مفہوم جو ہے نا کہ تنہا ایک ایک فرد ایک مجرم تنہا خدا کے ہاں اور بند کمرے کے اندر جائے گا وہ قرآن کی شہادات کے بھی خلاف ہے اور جس مقصد کے لیے وہ میں کہہ رہا ہوں قیامت برپا کی جا رہی ہے وہ اس مقصد کے بھی خلاف ہے۔

قرآنِ حکیم کے نزدیک ہر انسان کی ذات ایک انفرادی حیثیت کی حامل ہے' جسے آگے جانا ہے

بات یہ نہیں ہے۔ فُرَادٰی کے معنی دوسرے مقام پر اسے فَرْدًا بھی کہا گیا ہے وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (19:95) حیوانی زندگی جسے آج اس دور میں مادی تصورِ حیات کہا جاتا ہے Materialistic Concept of life کہا جاتا ہے اس میں ایک فرد یا انسان کی انفرادیت یا Individuality کا تصور نہیں ہوتا۔ Individuality کا بڑا صحیح ترجمہ ہمارے ہاں انفرادیت ہوا ہے اور وہ قرآن کے ہاں سے لیے ہوئے لفظ سے ہے جسے فَرْدًا قرآن نے کہا ہے۔ قرآن ایک انسان کو ایک فرد کو ہر ایک فرد کو الگ الگ Individuality یا انفرادیت کا حامل سمجھتا ہے جسے انسانی ذات یا اس کی Personality کہا جاتا ہے۔ میں ایک Self contain entity ہوں انفرادیت ہے میری۔ میرے ہر عمل کا ہر ارادے کا ہر خیال کا اثر مرتب ہوتا ہے میری اپنی ذات پر' اس میں اور نہیں شریک ہوتا۔ ابھی میں اس کی تفصیل بیان کرونگا۔

میری اپنی ذات پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہے اور مجھے ہی اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

قرآنِ حکیم نے کرۂ ارض پر انسانی پیدائش کو خلق جدید کہہ کر پکارا ہے جو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہوتی ہے

یہ جو قانونِ مکافاتِ عمل ہے ہر فرد جواب دہ ہے اپنے خیالات کا ارادوں کا خواہشات کا آرزوؤں کا اعمال کا کردار کا۔ ایک تو صورت یہاں معاشرے کے اندر ہے سوسائٹی کے قوانین ہیں ان میں تو وہ صورت ہے کہ سوسائٹی کے قانون کی اگر خلاف ورزی کی سوسائٹی نے اس پہ گرفت کی۔ لیکن ایک شے انسان کی اپنی انفرادیت ہے کہ میں نے جو خیال بھی کیا جو ارادہ بھی کیا خواہ وہ عمل میں نہیں بھی آیا اس کا بھی اثر میری ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ اور یہی ان اعمال کی ترتیب دی ہوئی وہ شے وہ ذات جسے کہتے ہیں وہ آگے جائے گی مرنے کے بعد اور یہ ہے جسے قرآن نے فرد یا فُرَادٰی یا انفرادیت کا حامل کہا ہے۔ کہا یہ ہے کہ تمہاری ایک اپنی ذات Individuality انفرادی حیثیت سے وہ آئے گی سامنے اور وہ اپنے ہر عمل کی جوابدہ ہوگی۔ یہ جو قرآن نے کہا ہے كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (6:94) پہلے تو وہی چیز ہوئی کہ وہ جو ہے بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (50:15) پہلی پیدائش تو وہ ہے جو اس دنیا کے اندر ہوتی ہے بچے کی اور اسے قرآن نے کہا ہے خَلْقًا اٰخَرَ (23:14) ایک اور پیدائش اسے کہہ کے پکارا ہے۔ ایک تو اس میں تردید کر دی اس نے اَوَّلَ مَرَّةٍ (6:94) کہہ کر۔ ہندوؤں کے ہاں یہ تصور کہ ہر بچہ اپنے سابقہ جنم کے کرموں کا اثر اپنے اوپر لے کر پیدا ہوتا ہے اسی کے مطابق بلکہ اس کی پیدائش ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ ہوسکتا ہے کہ حیوان کے پیکر میں اس کی پیدائش ہو اور حیوان کے پیکر میں نہیں انسان کے پیکر میں بھی ہے تو وہ کوئی شودر پیدا ہوگا کہیں ویش پیدا ہوگا کہیں کھشتری ہوگا کوئی برہمن ہوگا۔ یعنی ان کے ہاں جب پیدا ہوتا ہے تو وہ غیر ملوث نہیں ہوتا وہ آلائشوں اور پچھلے جنم کے کاموں کی ساتھ لے کر آتا ہے۔ قرآن پہلے تو اس کی تردید کرتا ہے قطعاً غلط ہے۔ ہر بچہ ایک Clean Slate لے کر پیدا ہوتا ہے۔ عیسائیت نے یہ کہا کہ ہر بچہ اپنے اولیں ماں باپ آدم اور حوا کے گناہ کی آلائش اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے اور وہ کسی طرح سے دھل ہی نہیں سکتی بجز اس کے کہ وہ حضرتِ مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان نہ لائے۔ یعنی یہ بھی آلائش لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ یہ بچہ یوں پیدا ہوتا ہے یا اس طرح سے پیدا ہوتا ہے یہ جو بوجھ لے کر پیدا ہوتا ہے اس میں اس کا تو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

قرآنِ حکیم پیدائش کے اعتبار سے کسی اضافی چیزوں کو اہمیت نہیں دیتا

قرآن اس تصور کی تردید کرتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ بالکل Clean Slate لے کر پیدا ہوتا ہے سابقہ کوئی آلائش اس کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اور جہاں کسی گناہ کی آلائش نہیں ہوتی جتنا چیزیں آپ اس کے بعد اضافی یا Relative اسکے ساتھ نسبت اس کی ہوتی ہے وہ ان نسبتوں سے بھی پاک اور صاف ہوتا ہے۔ پہلی نسبت تو اس خاندان کی ہے

جس میں وہ پیدا ہوا سیدوں کا گھرانہ ہے تو سب سے پہلے ہی سید ثروت حسین اس کا نام آ گیا صاحب۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ اضافی چیز ہے جو تم نے دی' جب وہ پیدا ہوا تھا تو اس پہ تو کہیں نہیں لکھا ہوا تھا کہ یہ شیخ ہے یہ سید ہے یہ پٹھان ہے یہ مغل ہے وہ تمہاری معاشرے کی نسبتیں ہیں جو تم نے اس کے ساتھ دیں۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ (6:94) جو ہم نے پیدا کیا تھا یہ نہیں ہوگا اور یہ نسبت ختم ہو جائے گی دوسری تخلیق ہے اس کے اندر بھی' جتنی چیزیں اضافی تم اس کے ساتھ لگاؤ گے وہ ساری ختم ہو جائیں گی اس کے بعد۔ پھر یہ کہ وہ امیر گھرانے میں پیدا ہو گیا اتنی کوٹھیاں اتنی مربع زمین اتنے کارخانے اس کے باپ کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ وہ پیدا ہوا تھا تو کوئی دستاویزیں اسکے ہاتھ میں نہیں تھیں کہ صاحب! اس کی ملکیت کے حقوق اس کو دیدیے ہیں اور یہ ان کو لے کے آ گیا ہے۔ کچھ بھی نہیں تھا اسکے پاس تو' اس نے تو کچھ کرنا تھا جس کا معاوضہ اسے یہاں ملنا تھا۔ یہ ساری چیزیں جتنی بھی ہیں یہ بھی اضافی نسبتیں ہیں جو تم نے اس کے ساتھ کر دی ہیں۔ پھر انہیں نسبتوں کے اندر آگے چلے آئے صاحب! یہ حضرت صاحب ہیں یہ ہمارے پیر صاحب ہیں یہ ہمارے لیے یہ کریں گے اور وہ ہمارے لیے یہ کرے گا کچھ دوست ہیں کچھ ہمدرد ہیں۔ اور جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے مذہب کی دنیا کے اندر تو بخشوانے والے فساد کرنے والے یہ ساری اضافی نسبتیں ہیں جو بعد میں آپ دیتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے اس ایک آیت کے اندر قرآن نے کس طرح سے ان سب کی نفی کی ہے۔ انفرادی ہر فرد اپنے اپنے اعمال کا واحد ذمہ دار اور Accountable ہے۔ یہ قرآن کا یا دین کا بنیادی اصول ہے وہ ستون ہے جس کے اوپر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے کہ ہر فرد اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (2:286) ہر فرد جو کچھ بھی اچھے کام کرتا ہے اس کا اچھا بدلہ بھی اسی کے لیے ہے یا وہ غلط کام کرتا ہے اس کا نقصان دہ نتیجہ بھی اسی کو بھگتنا ہوگا۔

قانونِ مکافاتِ عمل کسی اضافی چیز کو کسی ترازو میں نہیں تولتا:

یہ ہے جسے Individuality یا انفرادیت کہتے ہیں۔ یہی فُرادٰی جو ہے میں اس کی تشریح کیے چلا جا رہا ہوں۔ یہ وہ اصول ہے جیسا میں نے عرض کیا بنیادی اصول کہ قرآنِ کریم تو شروع سے آخر تک اسی اصول کو دہرائے چلا جا رہا ہے جسے قانونِ مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ اس لیے میں اس کی تائید میں آیات پیش کروں تو آدھا قرآن پیش کرنا پڑ جائے گا۔ دو ایک آیات سے یہ حقیقت سامنے آ جائے گی۔ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (30:44)

جو بھی صداقتوں سے انکار کرتا ہے اس کا نقصان اسی کو اٹھانا پڑے گا اور جو بھی صلاحیت بخش کام کرتا ہے وہ خود اپنی ذات کے لیے اچھی زندگی کی تیاریاں کرتا ہے۔ اپنی ہی ذات کے لیے۔

ایصالِ ثواب کا عقیدہ ایک سازش کے تحت دوسروں سے مستعار لیا گیا' تصور ہے:

وہ جس طرح سے کہ کسی دوسرے کے برے کام جو ہیں ان کا نقصان دہ نتیجہ اس کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کے اچھے کام جو ہیں ان کا خوشگوار نتیجہ بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ یہ جو ہمارے ایصالِ ثواب کے تصورات ہیں اور اس کے لیے یہ سارے پھر یہ قل اور جمعراتیں اور چالیسویں اور ختم اور یہ سارا کچھ جو ہے یہ سارے غیر قرآنی تصورات

دوسروں کے ہاں سے ہم نے مستعار لیے ہوئے ہیں۔ کسی کا کوئی ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ انفرادیت کا جو قرآن نے اصول دیا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ آپ کسی دوسرے کے لیے یعنی جو چیزیں اس کی ذات پہ جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کے ازالے کے لیے ان کے دھونے کے لیے آپ کسی دوسرے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے جو کچھ وہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے اسے آپ بدل نہیں سکتے۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (30:44) اچھے کام جو ہیں ان کا نتیجہ بھی وہ اپنی ذات کے لیے ہے اس کے' کسی دوسرے کی طرف جو ہے منتقل نہیں ہوتا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (41:46) جو بھی اچھے کام یا نیک کام جسے آپ کہتے ہیں جو بھی ایسے کام کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے کرتا ہے وہ منتقل نہیں ہو سکتے کسی دوسرے کی طرف نہیں منتقل ہو سکتے۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (41:46) اور جو برا کام کرتا ہے اس کا نقصان بھی اسی کو بھگتنا ہوتا ہے کوئی اس کی جگہ آگے جا کے یہ نہیں کہہ دے گا کہ نہیں صاحب! اسے چھوڑ دیجیے اور اس کی سزا مجھے دیدیجئے۔ نہ ہی یہ وہاں ہوگا کہ برے کام اس نے کیے اور اس کے لیے کسی دوسرے کی گرفت ہوگئی۔

کفارہ اور پھر کفارے کی بگڑی ہوئی شکل صدقہ دینے کے تصور کی اصلیت:

جسے آپ کفارہ کہتے ہیں کیا ہے وہ تصور؟ کہنے کو تو یہ بہت بڑی بات اور ہمارے ہاں بھی یہ جو صدقے دیے جاتے ہیں یہ بھی کفارے کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہیں کہ یہ ان کے گناہ اس نے اپنے ذمے لے لیے اور ان کے بدلے میں اپنی جان دیدی۔ اس کے گناہ ان لوگوں کے اپنے ذمے لے لیے یہ انفرادیت کے تصور کے خلاف ہے۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (41:46) یہ بات کہ کوئی جرم کرے اور کوئی دوسرا اس کو بھرے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (41:46) خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی اسی طرح سے یہ تصور بھی غلط ہے کہ کسی کے اپنی ذات کے اچھے کام جو ہیں ان کے نتائج کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دیں یہ منتقل ہونے والی بات ہی نہیں ہے۔ وہ جو میں ایک مثال دیا کرتا ہوں سمجھانے کے لیے اچھی چیز ہے کہ جو شخص صبح سیر کے لیے نکلتا ہے اور اس کے بعد جب واپس آتا ہے تو اس سیر سے اسے ایک نفع پہنچتا ہے جو وہ ورزش کرتا ہے اس سے اس کی صحت بنتی ہے۔ کبھی یہ ممکن ہے کہ وہ یہ کچھ کرنے کے بعد سیر یا ورزش کرنے کے بعد گھر میں آئے اور بھائی صاحب جو لیٹے ہوئے ہیں اور اٹھے ہی نہیں ہیں بستر سے تو یہ جو صحت اس کو اچھی ملی ہے اس میں سے کچھ حصہ آ کے ان کو بھی منتقل کر دے کہ لیجیے صاحب! سارا نہیں آپ بڑے بھائی ہیں ہمارے اور بڑا تعلق ہے آپ سے' بڑی مہربانی ہے آپ کی آپ ہمیں چیز دیا کرتے ہیں لیجیے صاحب! ہم اپنی اس صحت میں سے کچھ حصہ آپ کو دیدیتے ہیں۔ یہ عام Physical Life کے اندر یہ چیز بھی جو انفرادیت کی ہے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی تو وہ شے کہ جس سے انسان کی ذات سنورتی ہے اسے دوسرے کی طرف منتقل کیسے کر دے بڑا ہی غلط تصور ہے۔ کچھ نہیں کسی کے لیے کوئی دوسرا کر سکتا یاد رکھئے۔

انسانیت کے اندر یہ ذاتیں اور۔۔۔قطعی طور پر اضافی چیزیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں:

اس کے بعد اضافی رشتے آتے ہیں اور یہ بچے کی پیدائش کے ساتھ جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ یہ اضافی رشتے کچھ یوں چپکتے ہیں کہ یہ چلتے ہیں آخر تک۔ پہلی چیز تو یہ کہ جس خاندان میں پیدا ہوا ہے ان کی ذاتیں ان کی گوتیں یہ ساری اس کے ساتھ آ جاتی ہیں۔ یہ مسائل جو قرآن دیتا ہے اس کو سائیکولوجی ہی صحیح معنی میں سمجھتی ہے۔

عمل انسانی کی برومندی کے ساتھ ساتھ انسانی ذات کی حقیقت اور اس کی اہمیت اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی جائے گی

میں تو عرض کر رہا ہوں کہ یہ قرآنِ کریم کا جتنا حصہ انسان کی ذات کے متعلق ہے اور آخر میں اس کی تعلیم نچڑ کے یہاں آ جاتی ہے انسانی ذات کے سنورنے اور بگڑنے پر۔ سائیکولوجی کا سٹوڈنٹ اسے بہترین طور پر سمجھ سکتا ہے۔ وہ تو جو قرآن نے کہا تھا کہ سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ (41:53) کہ ہم خارجی کائنات میں اور خود تمہاری اپنی Self کے اندر تمہاری ذات کے اندر اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں تا آنکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی سچا ہے۔ اس کے سچے ہونے کے لیے دلیل یہ ہے کہ اَنۡفُسِہِمۡ قرآن نے ساتھ کہا ہے انسان کی Personality (ذات) اس کا Self جو ہے اس کے متعلق بھی جس قدر مطالعہ انسان کا وسیع ہوتا چلا جائے گا اسی قدر یہ قرآن کے حقائق کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہوگا۔ اور اس دور میں ہمارے ہاں یہ جو نئی چیز شروع ہوئی ہے جسے سائیکولوجی کہتے ہیں اس کی آگے شاخیں Psycho Analysis وغیرہ جو ہیں قرآن کے بڑے حقائق اس کی رو سے سمجھ میں آتے ہیں۔ بہرحال یہ نسبت جوتھی خاندان کی یہ ٹھیک ہے سیدوں کے گھر میں پیدا ہوا یہ جنہیں آپ اونچی ذاتیں یا اونچی گوتیں کہتے ہیں پٹھان کے پیدا ہو گیا راجپوت کے ہاں پیدا ہو گیا جو عام طور پہ کہا جاتا ہے بڑے فخر سے وہ یہ کچھ اپنے نام کے ساتھ لگاتا ہے۔

ذات برادری کی اندھیری رات نے ملتِ اسلامیہ کو صدیوں سے نفسیاتی تقلید پرستی کی تباہ کن بیماری میں مبتلا کر رکھا ہے

یہ چیز کہ یہ غلط ہے اس کا ثبوت اس طرح سے ملتا ہے کہ جو بدقسمتی سے کسی ایسے خاندان میں پیدا ہو گیا کہ جنہیں کمین یا قابلِ تحقیر سمجھتا ہے معاشرہ، آپ دیکھئے گا کہ یہی نہیں کہ وہ اپنی نسبت ان کی طرف کرتا ہوا باہر جائے اور لوگوں کو بتاتا پھرے وہ ساری عمر چھپاتا پھرتا ہے۔ میں کسی ذات اور گوت پہ حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ مثلاً ہمارے ہاں یہ حجام نائی یہ سقے کمہار ان کو قابلِ تحقیر گوتیں یا ذاتیں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تصور ہم نے ہندوؤں سے لیا ہوا ہے غیروں سے لیا ہوا ہے قرآن کے یکسر خلاف ہے۔

قرآنِ حکیم کی روشنی میں ذات برادری کے اضافی تصورات

سے پیدا ہونے والے ضمیر کے بوجھ کا یقینی علاج:

میں کہہ یہ رہا ہوں کہ اضافی نسبت کرتی کیا ہے انسان کے ساتھ۔ اب اس بچے کا کوئی قصور نہیں کہ یہ مثلاً نائیوں کے گھر میں پیدا ہو گیا۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ساری عمر بیچارہ اس اضطراب میں مرتا رہتا ہے کہ کسی کو معلوم نہ ہو جائے کہ نائی ہے۔ کہیں وہ بہت بڑا بنا ہوا ہو بڑا معتبر ہو اپنے ذاتی میرٹ کے اعتبار سے بھی بہت اونچا ہو مجلس میں بیٹھا ہو کھڑا ہو بات کر رہا ہو قابلِ فخر قابلِ عزت' ہر وقت اس کے ذہن میں یہ رہتا ہے کہ سامنے سے کوئی یوں تو نہیں کر دیتا۔ اندازہ لگائیے کہ کس قدر یہ شرفِ انسانیت کی تذلیل ہے یہ چیز' یہ تصورات جو ہیں۔ کیا چیز ہے یہ؟ اضافی چیز ہے ایک' وہ پیدا نائی نہیں ہوا ہے ایک اضافی چیز اس کے ساتھ لگ گئی۔ لیکن اس اضافی چیز نے اس پہ نفس یا سائیکولوجی پہ جو اثر کیا ہوا ہے لوگوں کو اس کا پتہ نہیں ہے۔ اس سے اتنے Complexes پیدا ہو جاتے ہیں اس کے اندر' گھٹن پیدا ہو جاتی ہے ساری عمر وہ اس میں گھٹا ایسے جیسے کوئی بہت بڑا جرم کر بیٹھا ہے وہ' کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ ارے پھر جرم جو ہے اس کے متعلق تو چلئے صاحب! کئی اس قسم کے قاتل اس قسم کے بہت بڑے جرائم کے مرتکب مفرور ہو جاتے ہیں چھپے رہتے ہیں برسوں تک مفرور رہتے ہیں۔ اس کے بعد خود تنگ آ جاتے ہیں جب اس زندگی سے تو ایک شکل تو ہوتی ہے بچنے کی کہ وہ آ کے اقرار کر لیتے ہیں اس کا۔ وہ کہتے ہیں نا بھاگا ہوا مجرم خود کبھی آ کے سرنڈر کر جاتا ہے آ جاتا ہے' آ گیا آ کے اقرار کیا اس جرم کی سزا ملی وہ Complex جو ہے وہ جو بوجھ ہے ضمیر کے اوپر وہ تو اتر گیا نا اس کے ازالے کی کوئی شکل ہے۔ لیکن یہ جو اس کے Unconscious Mind کے اوپر اس کے ضمیر کے اوپر بوجھ ہے کہ یہ نائی ہے یعنی اگر اس کے لیے وہ یہ کرے کہ صاحب چھپایا ہوا تھا اس وقت تو اس نے بتایا نہیں تھا مجلس میں معاشرے میں آ کے اعلان کرو تو دہرا مجرم ہو جاتا ہے' جسے نہیں پتہ اسے بھی پتہ۔ یعنی یہ ایسی چیز ہے کہ ساری عمر اس کا بوجھ اس کے ضمیر سے ہٹ ہی نہیں سکتا۔ آپ نے اس ایک مثال سے سوچا قرآن کیا کہہ گیا۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (6:94) تم جب پیدا ہوئے تھے تو نہ تو نائی تھے نہ کمہار تھے نہ سید تھے نہ پٹھان تھے ہم ان Complexes کو دور کرنے کے لیے آئے ہیں۔ قرآن ان Complexes کو دور کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ معاشرے میں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ بچے کی پیدائش کے اعتبار سے کوئی اضافی نسبت اس کی طرف چپکا دے' جرم ہوگا اسلامی معاشرے کے اندر عزیزانِ من! یہ بات۔ نہ کسی کے لیے کوئی قابلِ فخر اضافت ہوگی کہ یہ سید ہیں یہ شاہ صاحب ہیں یہ خان صاحب ہیں اور نہ باعثِ ذلت اضافت ہوگی کہ یہ کمہار کا بیٹا ہے یا نائی کا بیٹا ہے۔ فُرَادٰى اس فرد کو دیکھا جائے گا کہ وہ کیا ہے یہ نہیں کہ اس کے ساتھ نسبتیں کیا چمٹی ہوئی ہیں۔ دیکھئے قرآن کس انداز میں یہ باتیں کرتا ہے۔ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (60:3) اس قرآنی انقلاب کے اندر یاد رکھو کہ یہ چیزیں کہ ماں باپ تمہارے سید تھے یہ پٹھان تھے یہ نسبتیں اضافی بڑے امیر تھے بڑی کوٹھیوں اور کارخانوں کے مالک تھے کسی کو یہ اضافی چیز کچھ فائدہ

نہیں دے سکتی نہ ماں باپ نہ اولاد فائدہ دے سکتی ہے۔فرد اپنی Individuality لے کے آئے گا۔ابھی میں عرض کرونگا قرآن جو کہتا ہے بڑی خوبصورت بات وہ کہتا ہے۔ یہ ساری نسبتیں پیچھے رہ جائیں گی کچھ فائدہ نہیں دیں گی یہ ہے Individuality۔اولاد اگر کسی کی کچھ بدنکل آتی ہے اس میں خرابیاں ہوتی ہیں تو کسی حد تک وہ ماں باپ سے کہا جاتا ہے کہ تم نے ان کی تربیت اچھی نہیں کی اس واسطے یہ ایسے ہو گئے۔تو کسی حد تک اسے ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے کہ یہ جو غلط تربیت انہوں نے دی ہے یہ ان کا جو جرم ہے اس کا خمیازہ ان کو بھی کچھ بھگتنا پڑتا ہے کہ انہوں نے یہ کیا۔لیکن عزیزانِ من! اگر کسی لڑکے کا باپ شراب پیتا ہے اس میں اس کا کیا جرم ہے بیچارے کا۔لیکن آپ دیکھیں گے کہ غلط معاشرے کے اندر جہاں اضافی نسبتوں کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے یہ بھی چھپتا پھرتا ہے۔اگر کہیں یہ ہو جائے کہ صاحب اس کی ماں بڑی جھوٹی ہے یہ منہ چھپاتا پھرتا ہے حالانکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

تحت شعور میں چھپی ہوئی اضطراری کیفیات کے نتائج اور ان کا علاج:

سائیکولوجی کے اندر جب Psycho Analysis کے اعتبار سے Complexes کو کریدتے ہیں نیچے سے تو ان کے اندر یہ اس شخص کے اپنے ہی جرائم یا اپنی ہی غلطیاں اس کے تحت الشعور گرہ گیر نہیں ہوتیں یہ جو اس قسم کے احساسات ہوتے ہیں نا کہ صاحب اس کی ماں اس قسم کی ہے اس کا باپ اس قسم کا ہے اس سے جو اس کے اندر ایک Inferriority پیدا ہوتی ہے یہ ہے جو کشمکش رہتی ہے اس کے دل میں' ساری عمر کے لیے وہ اس کشمکش میں گرفتار رہتا ہے۔اور اس کے تجربے تو عام طور پہ ہم لوگوں کو ہو جاتے ہیں منہ چھپائے پھرتا ہے آدمی اگر یہ کہے کہ صاحب اس کا باپ یہ ہے' وہ ہے ہی نہیں وہ تھا بھی اگر کہا جائے تو۔یہ سارا تصور غلط ہے قرآن کی رو سے۔میں کہتا ہوں اس کا یہ جرم جو تھا محض اس لیے کہ یہ اس کے گھر میں Biological پیدا ہو گیا اس واسطے اس بیچارے پہ ساری عمر Complex اس کے Unconscious Mind کے اندر اس کے تحت الشعور کے اندر یہ Complexes پیدا ہوتے رہیں کہ اسکا باپ یہ تھا وہ یہ کرتا تھا اس کی ماں جھوٹ بولتی تھی۔آپ غور کر رہے ہیں کہ یہ ایک لفظ میں یا ایک تصور میں قرآن کہاں لے جا رہا ہے۔آپ میں سے جو احباب Psycho Analysis سے کچھ دلچسپی رکھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ کتنی دشواری ہوتی ہے ان Complexes کو نکالنے میں۔اس فرد کے متعلق وہ دیکھتے ہیں کہ کوئی ایسا جرم اس نے زندگی میں نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ اضطراب اور یہ Complexes اس کے اندر' یہ کشمکش پیدا ہوئی ہے۔بات ایسے نکلتی ہے کہ صاحب! بچپن میں جب ذرا سا شعور اس کا بیدار ہوا تھا تو اس نے طعنہ سنا تھا اپنی ماں کے متعلق یا اپنے باپ کے متعلق کچھ اور اس سے جو اس کو خفت اور ندامت کا احساس ہوا ہے وہ اس کے تحت الشعور کے اندر ایک گونج کی طرح سے ایک ذرے کی طرح سے چپک کے رہ گیا ہے اور وہ ساری عمر اس بیچارے کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔قرآن کہتا ہے غلط ہے۔جب یہ کہتا ہے کہ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ (60:3) وہ فیصلے ہو جائیں گے تمہارے اور ان کے درمیان۔وہ فیصلہ ہونا

چاہیے۔ میں اپنے کام کا ذمہ دار ہوں اپنے اعمال وافعال کا ذمہ دار ہوں۔ لیکن یہ اس لیے ہوتا ہے غلط معاشرے میں کہ یہ جو بڑی بڑی نسبتوں والے ہیں ناسیدوں کے گھر میں پٹھانوں کے گھر میں ان کے گھروں میں پیدا ہونے والے وہ جب بڑے فخر سے اس کو اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں وہ نہیں چھوڑنے کو تیار ہوتے۔ یا امیروں کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ وہ کبھی نہیں بڑا ہو کے کہتا کہ نہیں صاحب! میرا کوئی حق نہیں ہے اس دولت کے اوپر' میں نے نہیں یہ کمائی تھی۔ یہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ اضافی طور پہ ہم چمٹے رہتے ہیں اس لیے جن کے خلاف وہ چیزیں جاتی ہیں وہ بھی ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ چھوٹی ذات والے کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ' غریب کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ ساری عمر باپ کے اس جرم کی سزا بھگتتا ہے کہ وہ غریب کیوں تھا۔ نہ اسے تعلیم ملتی ہے نہ اسے Opportunities ملتی ہیں نہ مواقع ملتے ہیں نہ اس کے بعد معاشرے کے اندر اسے مقام ملتا ہے۔ آن میرٹ اگر اپنے جوہرِ ذاتی کی بناء پہ کچھ حاصل بھی کر لیتا ہے تو ہر وقت یہ چیز کہ صاحب! یہ آج بن بیٹھے صاحب' دیکھئے باپ ''بوریاں ٹوہندا پھر داسی''۔ یعنی اندازہ لگائیے۔

ہر فرد کو اس کے انفرادی عمل اور کردار سے جاننا اور دیکھنا ہوگا:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ قرآن ایک لفظ سے کیا اصلاح کر رہا ہے آپ کے معاشرے کی' کہاں لے جا رہا ہے۔ کہتا ہے ہر فرد جو ہے انفرادیت صرف اس کی دیکھنی پڑے گی تمہیں کوئی اضافی نسبت نہیں ہوگی۔ اور یہاں تو یہ کہا ہے کہ تمہیں فائدہ ہی نہیں دے سکیں گی تمہاری یہ نسبتیں اور آگے چلئے کیسے عجیب انداز میں بات بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ جب یہ چیز ہوگی ہر ایک کو اس کے اپنے اعمال کا Responsible یا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿34﴾ (80:34) وہاں بھائی بھائی سے دوڑ جائے گا دور' الگ تھلگ نہیں بھاگ جائے گا دور بھاگ جائے گا۔ وَاُمِّہٖ وَاَبِیۡہِ ﴿35﴾ (80:35) ماں باپ بیٹوں سے۔ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیۡہِ ﴿36﴾ (80:36) بیوی خاوند سے' خاوند بیوی سے۔ بیٹا باپ سے' اولاد ماں باپ سے' ماں باپ اولاد سے بھاگ جائیں گے ایک دوسرے سے۔ آپ سوچئے تو سہی کہ کوئی پھر نسبت باقی رہتی ہے۔

غیر قرآنی معاشرے کی تصویر کشی اور اس کا علاج:

کیوں یہ کچھ ہوگا؟ لِکُلِّ امۡرِیٍٔ مِّنۡہُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡہِ ﴿37﴾ (80:37) اس دن تو ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہوگی اپنا ہی معاملہ اتنا زیادہ ہوگا کہ اسے فرصت ہی نہیں ہوگی کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی۔ اور اس خیال سے کہ کہیں اس کا چھینٹا مجھ پہ نہ پڑ جائے اس سے بھاگ رہا ہوگا۔ ایک Graphically تصویر کھینچی ہے قرآن نے یہ بتانے کے لیے کہ یہ کیوں تعلقات باقی نہیں رہتے انفرادیت جب آتی ہے۔ انسان خود ذمہ دار ہوتا ہے اس چیز کا۔ آپ سوچئے کہ جب قرآن یہ تصور دیتا ہے ذمہ داری کا تو معاشرے کے اندر پھر جو بیچارے بچے کے ساتھ محض ان نسبتوں کی وجہ سے یہ Complexes inferriority کے اور یہ کمتری کے جذبات جو ہیں یہ احساسات جو ہیں اسکے شعور میں آ جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ساری عمر کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ قرآن ان کو نکال دیتا ہے وہ معاشرہ ایسا بناتا ہے جس میں ان چیزوں کو کوئی

اہمیت نہیں ہوتی۔ بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اگر اس میں یہ معیار ہو جائے کہ کسی کو اس کی بناء کے اوپر کسی قسم کی بھی اس کے خلاف De-moral کی چیز یا تذلیل کی بات کی جائے۔ جرم ہوگا اسلامی معاشرے کے اندر جرم ہوگا۔

صاحب حیثیت افراد کے علاوہ برسر اقتدار لوگوں کے کردار کے معاشرے پر اثرات اور قرآنی راہنمائی:

اب اگلی بات آئی معاشرہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسانی بچوں پر ماحول کی تربیت کا بڑا اثر پڑتا ہے ماحول کا بڑا اثر پڑتا ہے غلط تربیت کا بڑا اثر پڑتا ہے اور بڑا بنیادی اثر وہ ہوتا ہے اس کا۔ پھر اس کے بعد آگے بڑھتے ہیں وہ معاشرے کے اندر یہ جو بڑے بڑے لوگ جنہیں لیڈرز کہتے ہیں ان کی زندگیوں کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ یہ جو کہتے ہیں نا کہ یہ جو اوپر اربابِ نظم ونسق یا ذمہ دار ہیں وہ اگر اچھے کریکٹر کے اچھے کردار کے ہو جائیں وہ اگر کرپٹ نہ رہیں وہ اگر صلاحیت بخش کام کریں تو اس کا اثر قوم پہ پڑتا ہے یہ ٹھیک ہے قوم پہ پڑتا ہے۔ اور اگر اوپر وہ کرپٹ ہو جائیں یا ان کے اندر بدکرداریاں آ جائیں تو اس کے اثرات بھی متعدی ہوتے ہیں جراثیم کی طرح آگے پھیلتے ہیں۔ لیکن میں ابھی آگے چل کے عرض کرونگا قرآن اس پہ بھی فرد سے یہ کہتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہ جراثیم عام ہوتے ہیں۔ لیکن جب وبائی امراض پھوٹتی ہیں جراثیم مرض کے عام ہوتے ہیں ان سے بچنے کے لیے بھی تو تم احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہو یا نہیں' بھاگے بھاگے پھرتے ہو ڈاکٹروں کے ہاں جاتے ہو ان سے کہتے یہ ہو کہ صاحب! ٹھیک ہے کسی کو اگر یہ لگ گیا مرض تو اس کے بعد Curative تو آپ دیں گے آپ یہ بتائیے کہ Preventive کیا چیز ہے بطورِ حفظِ ماتقدم مجھے کیا کرنا چاہیے تاکہ یہ جراثیم لگیں ہی نہیں مجھے۔ اور اسی معاشرے میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس قسم کی تدابیر اختیار کر لیں تو انہیں یہ جراثیم کچھ نہیں کہتے۔ اور اسی وقت اختیار کرنا تو ایک طرف اگر اس کی صحت اچھی ہے قوتِ مدافعت اندر اچھی اس نے پیدا کی ہوئی ہے تو پھر یہ چیز وبائی امراض کے جراثیم بھی اسے کچھ نہیں کہتے۔ وہ تو جب ان کو Inhale بھی کرتا ہے سانس کے ذریعے بھی اندر جاتے ہیں تو اندر اس کے ان جراثیم کے مارنے والی قوتیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ان سب کو وہ تلف کر کے رکھ دیتا ہے۔ تو جس طرح سے یہ طبعی امراض کے اندر یہ کیفیت ہے یہ اخلاقی امراض کی بھی یہ صورت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب یہ وباؤں کی طرح عام ہوتی ہیں بداخلاقیاں تو اس کے جراثیم معاشرے میں عام ہو جاتے ہیں۔ لیکن قرآن یہ بتاتا ہے ہمیں کہ فرد کے اندر اتنی بڑی قوت ہم نے رکھی ہے کہ اگر وہ تہیہ کر لے اس کے متعلق تو یہ جراثیم اسے بھی اثر نہیں کر سکتے۔ دو چار آیتیں اس کے متعلق میں سامنے لاؤنگا۔ پہلے یہ چیز معاشرے کے اندر یہ بڑے بڑے لوگ جو ہیں وہ جب بدکرداریاں کرتے ہیں تو عوام ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

مادیت کی بنیاد پر مارکس ازم کے سوشلسٹ فلسفے کے تحت معاشرے میں جرائم کی بھرمار کی بنیادی وجہ:

آپ کو یاد ہے پچھلی دفعہ میں نے یہ کہا تھا کہ یہ جو ہمارے ہاں تصور ہے مادیت کا جو مارکس ازم یا سوشلسٹ فلسفہ کے راستے سے عام ہو رہا ہے ان کی Technique یہ ہے معاشرے میں جرائم کو وہ عام کرتے ہیں فسادات کو تخریبی کاروائیوں

کو عام کرتے ہیں۔ افراد کے خیال میں یہ چیز یا دل میں یا Conscious Mind میں یہ چیز آتی ہے کہ یہ تو جرم ہے یہ تو نہیں کرنا چاہیے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تو میں نے آپ کے ٹی وی کے ایک ڈرامے کے انجام کے آخری فقرے سے یہ کہا تھا نا بتایا تھا یہ کہ ان کی Technique اشترا کیوں کی کیا ہوتی ہے ایک فقرہ نشتر کی طرح خاموشی سے یوں چبھو کے آگے چلے جاتے ہیں۔

فلاسفروں کی طرف سے سمگلر کے کریکٹر کی تمام ذمہ داری معاشرے پر ڈال دی جاتی ہے:

وہ آخر میں اس سمگلر سے یہ کہتا ہے کہ جس نے اتنی دھاندلیاں مچائی تھیں اور اس کا انجام یہ تھا کہ جب کسٹم والوں نے چھاپہ مارا ہے اس کو گولی لگی ہے وہ مر گیا ہے تو اس کی لاش پہ وہ آتا ہے ہمدرد فلاسفر اس کا۔ تو وہ آ کے یہ کہتا ہے (کریکٹر کا نام اس نے خالد رکھا ہوا سمگلر کا) کہ خالد تم کیا تھے اور کیا بن گئے تم نے یہ کیا کچھ کیا۔ یہاں تک ٹھیک ہے۔ یاد رکھئے ٹی وی سے سب سے زیادہ متاثر بچے ہوتے ہیں ہمارے اور یہ بات تھی جو بچوں نے مجھ سے پوچھی تھی۔ کہ تم کیا تھے کیا بن گئے تم نے کیا کیا (اور آگے وہ بات آ گئی) لیکن خالد! اس میں تمہارا کیا قصور ہے تم جو کچھ بن گئے اور معاشرے نے تمہیں وہ کچھ بنا دیا اور چلا گیا۔ بری الذمہ ہو گیا یہ' اب ہر مجرم کو ایک اطمینان مل گیا کہ میرا جرم نہیں ہے مجھے معاشرے نے بنا دیا جو کچھ بنا دیا۔ اور یہ چیز آج اتنی عام ہو رہی ہے کہ جو کچھ بھی اس قسم کی بات کرتا ہے اس سے پوچھو تو کہتا ہے کہ صاحب! اس غلط معاشرے کے اندر یہ کچھ کرنا پڑتا ہے انسان کو' مجبور ہو جاتا ہے انسان' رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک معذرت (Excuse) اپنے لیے لے آتا ہے کہ فرد اپنے آپ کو ذمہ دار نہیں سمجھتا پھر۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ٹھیک ہے کمزور افراد جو ہیں وہ اس طرح سے اس لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ قرآن نے اس شر کو شرِ مستطیر کہا ہے کہ چنگاریاں اڑ کے لگتی ہیں۔ لیکن پھر سوچ لیجیے فرد کو اتنا مجبور پیدا نہیں کیا ہے' وہ اس قسم کے جراثیم کی Resistance کر سکتا ہے مدافعت کر سکتا ہے۔ قرآن پہلے لیڈروں کی اور عوام کی گفتگو مکالمے بتاتا ہے جہنم میں۔ خوب انداز ہے اس کا بات کرنے کا۔

جہنم میں قوم کے لیڈر' رہنما اور عوام آمنے سامنے ایک دوسرے کو مجرم قرار دیں گے:

بات یہی ہے وہاں کہ اوپر جو لیڈر رہنما ارباب نظم ونسق ذمہ دار افراد جو معاشرے کے کہلاتے ہیں وہ کرپٹ ہو چکے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے وہ جہنم میں ہیں اب ان کے ساتھ ہی وہ عوام بھی جہنم میں ہیں۔ جو یہاں اپنے آپ کو کہہ کے اطمینان دلا لیتے تھے کہ صاحب! ہم نہیں ذمہ دار' یہ ہیں سارے جو کچھ کرتے ہیں ان کی وجہ سے یہ ساری برائیاں عام ہو رہی ہیں۔ اپنے آپ کو اطمینان دلا لیتے تھے۔ یہ یوں اطمینان دلا لیتے تھے اور وہ کیا اطمینان دلا لیتے تھے؟ کہ صاحب! کیا کہہ رہے ہیں جس قسم کا دودھ ہو گا اسی قسم کی بالائی اوپر آئے گی۔ وہ کہتے ہیں قوم ہی اس قسم کی ہے اس قوم میں سے جو لیڈر ابھریں گے وہ بھی اسی قسم کے ہونگے نا۔ یعنی انہوں نے بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے لیا اور عوام نے بھی اپنے آپ کو اطمینان دے لیا۔ فریبِ نفس ہے کہ جس قسم کے اوپر ارباب نظم ونسق ہونگے اسی قسم کا معاشرہ ہو گا اور اُنہوں نے یہ کہہ لیا کہ

جس قسم کی قوم ہوگی اسی قسم کے اس کے لیڈر ہونگے۔ اب اس میں نہ یہ ذمہ دار رہے اور نہ وہ ذمہ دار ہے۔

جہنم کے اس منظر نامے کے متعلق قرآن حکیم کا ایک بصیرت افروز فیصلہ:

قرآن نہیں مانتا عزیزانِ من! ۔جہنم میں ان کی باہمی گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ ایک مقام پہ قرآن نے نہیں کہا متعدد مقامات میں ہے بڑی دلچسپ ہے۔ زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو میری کتاب جو ہے نا ''جہانِ فردا'' اس میں یہ بڑی تفصیلی چیزیں میں نے دی ہوئی ہیں اسی میں سے میں دو ایک آیتیں سامنے لاتا ہوں ۔وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴿۲۷﴾ (37:27) وہ جو میں نے کہا تھا نا کہ وہاں تنہائی کمرے کے اندر یہ بات نہیں ہوگی' وہ سب ہونگے۔ قرآن کہتا ہے کہ اب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہونگے اور ایک دوسرے کو مطعون کر رہے ہونگے کہ تم نے یہ کیا ہمارے ساتھ' وہ کہیں گے کہ تم نے یہ کیا ہمارے ساتھ۔ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ﴿۲۸﴾ (37:28) یہ جو عوام ہیں انہوں نے کہا لیڈروں سے یا بڑے بڑے ذمہ دار ارباب سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم تھے جو اتنے زور وشور سے ہماری طرف آیا کرتے تھے اتنے شدومد سے کہیں تقریریں کیا کرتے تھے کہیں غلط قانون بنایا کرتے تھے کہیں دباؤ دیا کرتے تھے تم تھے جنہوں نے ہمارا بھی بیڑہ غرق کیا کم بختو۔ وہاں وہ ان کو یہ کہہ کے الزام دیں گے۔ یہ اُنہیں کہیں گے کہ ہم نے کیا کیا تمہارے ساتھ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴿۲۹﴾ (37:29) تم خود ہی مومن نہیں تھے اس لیے ذرا سی ہم نے بات کی اور تم ہمارے پاس چلے آئے۔ اگر تم اپنے مقام کے اوپر کھڑے رہنے والے مومن کی صفت اپنے ساتھ رکھتے ہمارے پاس کونسی قوت تھی۔ اور یہ لفظ میرے نہیں ہیں 'کونسی قوت تھی' ۔ کہا وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ﴿۳۰﴾ (37:30) ہمارے پاس وہ کونسی قوت تھی جس کی بناء پہ ہم نے تمہیں مجبور کیا تھا تم خود ہی دل کے اندر سے یہ چاہتے تھے کہ ہمیں بھی کسی طرح سے بائیں ہاتھ سے Overnight Millionare بننے کے طریقے آجائیں تمہارے دل میں یہ خیال خود چٹکیاں لے رہا تھا۔ تم اگر مومن ہوتے یہ ہے چیز قرآن جو کہہ رہا ہے۔ تم اگر اپنے اصولوں کے اوپر قائم رہنے والے ہوتے اول تو یہ جتنا لالچ تھا وہ ترغیب وتحریف تھی اس کی Resist کرتے کہ نہیں! ناجائز طریقے سے کوئی ایک چیز نہیں لی جائے گی' حرام طریقے سے میں کچھ نہیں لونگا بھوکا مرجاؤنگا' غربت کی زندگی بسر کرلونگا ناجائز طریقے سے نہیں لونگا کچھ۔ کہا اگر تم اس مقام کے اوپر اپنے آپ پہ قائم رہتے کون دنیا کی ایسی طاقت ہے کہ جو تمہیں مجبور کر دیتی حرام کھانے کے اوپر۔ تم ہی مومن نہیں تھے طٰغین اندر تمہارے دل کے اندر خودسرکشی کے جذبات اور جراثیم پرورش پا رہے تھے ہم نے تو بس ذرا سی یہ چیز کی ہمارے پیچھے لگ گئے ۔فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ﴿۳۲﴾ (37:31-32) ٹھیک ہے ہم گمراہ تھے غلط راستے پہ چل رہے تھے تم بھی تو غلط راستے پہ چلنے کی چٹکیاں تمہارے دل میں یہ جذبات لے رہے تھے تم کونسا تہیہ کر کے بیٹھے تھے کہ ہم نے نہیں چلنا اس راستے پہ۔ ہم نے پہل کی تم پیچھے ہو لیے ہوا تو اتنا ہی ہے۔ وہ کہا ہے کہ ہمارے پاس طاقت وہ کونسی تھی۔ عزیزانِ من! یہ جو بڑے ہوتے ہیں ان کی طاقت تو عوام ہوتے ہیں۔

تمہیں تو تم کے سوا کوئی کچھ نہ کہتا تھا
جناب ہم نے بنایا حضور ہم نے کیا

کہتا ہے تم نے ان کو بڑا بنا رکھا تھا ان کی قوتِ بازو تم تھے اس لیے ان کے جرائم سے تم بری الذمہ کس طرح سے ہو سکتے ہو۔ اس لیے فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (37:33) سب کو اس کا حصہ ملے گا سارے مشترک ہو اس عذاب کے اندر تم۔ جب جہنم آتا ہے۔

جہنم کی وہ محسوس شکل جس میں ملتِ اسلامیہ کی موجودہ حالتِ زار کی عکاسی کی گئی ہے

عزیزانِ من! وہاں کا جہنم تو وہاں جا کے دیکھیں گے یہاں کا جہنم جب آتا ہے تو کبھی ہوتا ہے کہ اس جہنم میں صرف آپ کے یہ لیڈر جو گرفتار ہوں اور عوام جو ہیں اس سے بچ جائیں یہ سب سے پہلے اس جہنم کے عذاب میں محفوظ ہوتے ہیں۔ آئے ہیں نا جہنم میں' بہرحال محسوس و مشہود شکل کے اندر مشرقی پاکستان میں یہاں کونسا کم جہنم تھا کون بچا ہوا ہے اس کے اندر۔ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (37:33) اور قرآن کہتا ہے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ (37:34) ان دونوں کو مجرم قرار دیتا ہے قرآن۔ یہ عذر قابلِ قبول نہیں اس کے نزدیک۔ پھر کہیں یہ معذرت ہوتی ہے کہ صاحب! میں غلط سوسائٹی میں پڑ گیا' یہ فلاں دیکھئے نا اس قسم کا تھا۔ وہ دوست کوئی ساتھی کوئی مصاحب جو ہیں انہیں مطعون کیا جاتا ہے انہیں ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن تو کوئی رخ چھوڑتا ہی نہیں عزیزانِ من! وہ کہتا ہے کہ وہاں یہ کہے گا کہ یا اللہ! نہیں میں نہیں ذمہ دار ہوں یہ جو ہے نا یہ میرا دوست اس نے مجھے بہکایا تھا یہ لے گیا مجھے' ٹھیک ہے آپ بھی جوا کھیلتا تھا مجھے بھی ادھر لے گیا تھا میں تو بالکل حقہ بھی نہیں کرتا تھا جی یہ تو مجھے پھر لے گیا اس نے مجھے شراب بھی لگا دی چوری کی لت بھی لگا دی میں نہیں جی اس کو پکڑیے صاحب۔ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ (50:27) وہ کہے گا کہ نہیں میرے رب! میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں اس کے اندر خود یہ جراثیم موجود تھے یہ تو تلاش کر رہا تھا کسی ایسے کی جو ذرا سا اکسائے اس کو اور اس کے کندھے پہ رکھ کے یہ بندوق چلائے۔ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ (50:28) ہم اس سے کہیں گے کہ ہمارے ہاں جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے ہاں اس قسم کی کوئی معذرت قابلِ قبول نہیں ہوگی ہر فرد اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ (50:29) ہماری بات ہمارا قانون بدلا نہیں کرتا اور یہ نہ سمجھو کہ ہم تم پہ ظلم کر رہے ہیں' ہم کسی پہ ظلم نہیں کیا کرتے۔

تہذیب فرنگ جو ایک ہجوم کی شکل میں عرصہ سے ہمارے ہاں وارد ہو رہی ہے اس کا انداز اس کے اثرات اور قرآن حکیم کا فیصلہ:

افراد سے آگے بڑھئے قوموں تک کو قرآن لیتا ہے۔ آج ہمارے ہاں ہو رہا ہے تہذیبِ مغرب نے ہمیں تباہ کر دیا

صاحب ہمارے لونڈوں کو یہ ساری مادہ پرستی وہاں سے آ رہی ہے یہ سارے فیشن ادھر سے چلے آ رہے ہیں اب وہاں امریکہ سے سیلاب کی طرح ہجوم کی طرح بلا کی طرح یہ سارا کچھ چلا آ رہا ہے نوجوان بہے چلے جا رہے ہیں اس کے اندر' ان کی شکلیں ان جیسی ان کے کرتوتیں ان جیسی اخلاق واطوار ان جیسے۔ یعنی یہ قوم جو ہے یہ اپنے اوپر ذمہ داری نہیں لیتی کہہ یہ رہی ہے کہ وہاں سے یہ چیزیں آ رہی ہیں اور وہ ہمیں یہ متاثر کیے جا رہی ہیں۔ قرآن ان کو بھی نہیں چھوڑتا قرآن ہے عزیزانِ من! وہ تو کسی گوشے سے آپ کو نکلنے دیتا ہی نہیں ہے۔ قومیں کہتا ہے جہنم میں داخل ہونگی۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (7:38) کیفیت وہاں یہ ہوگی کہ یہاں تو آپس میں دوستی کے معاہدے بھی ہونگے تعلقات بھی خوشگوار ہونگے جہنم میں جب وہ قومیں داخل ہونگی ایک قوم داخل ہوگی تو اس کی بہن جو پہلے داخل ہوگی اس پہ لعنت برسائے گی مطعون قرار دے گی۔ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ (7:38) یہ جو متاثر ہونے والے قوم تھی وہ یہ کہے گی کہ یا اللہ! یہ تھی وہ قوم جس نے ہمارا بیڑہ غرق کیا۔ یہ ہے تباہ کرنے والی مغرب کی تہذیب کی آمد' یہ ہپی جو وہاں سے آتے تھے امریکہ والے ان کو پکڑئے اور اگر ہمیں آپ نے مجرم قرار دینا ہی ہے تو بہرحال خیر لیکن ان کو تو دہرا عذاب دیجیے کم بختوں کو کہ خود بھی یہ خراب ہوئے تھے اور ہمیں بھی انہوں نے خراب کیا تھا۔

ملتِ اسلامیہ کی بربادی میں ہمارا زاویہ نگاہ اور قرآنِ حکیم کا ارشاد:

سن لیا نا ان کا کہ ان کو تو دہرا عذاب دیجیے۔ اور ہم سب اول تو اپنے آپ کو مجرم ہی قرار نہیں دیتے' ہمارے نوجوانوں کو تباہ کر دیا تہذیبِ مغرب نے۔ یعنی یہ نہیں تباہ ہوئے انہوں نے کر دیا۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ آئیں گے بھی تو اس دعوے پہ آئیں گے کہ ہاں صاحب! کسی حد تک تو یہ بھی ہے لیکن بڑی حد تک وہی ذمہ دار ہیں یعنی دہرا عذاب انہی کو ہم مانتے ہیں۔ پتہ ہے قرآن کیا کہتا ہے۔ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (7:38) ان سے کہا ہے کہ دونوں کو دہرا عذاب ملے گا۔ دہرا مانگتے ہونا۔ ٹھیک ہے انہیں تو دہرا عذاب ملے گا کہ انہوں نے اپنی اس غلط تہذیب کو غلط تصورات کو عام کیا نشر واشاعت کے ذریعے سے یہ کیا۔ لیکن تم نے جو اسے قبول کیا تو تم ان کے ساتھی بن گئے نا ان کے گروہ میں اضافہ ہوا ان کے خیالات رکھنے والی قوم جو تھی دنیا میں اور بڑھ گئی اور یہ بڑھنا ان کے لیے تقویت کا موجب بن گیا۔ جتنی ہم خیال قومیں اس دنیا میں ہیں وہ ایک جتھہ بنا لیتی ہیں۔ کہا یہ تم نے اختیار کر کے ان کی تقویت کا موجب تم بن گئے دنیا میں۔ لہٰذا تمہیں اپنے جرم کی سزا اور اس کی کہ تم اس کے لیے وجۂ تقویت بنے دہری تمہیں اور ان کی یہ کہ اپنا جرم انہوں نے پھیلایا اس چیز کو عام کیا دونوں کو دہری سزا قرآن دے رہا ہے۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ یہ جو چیزیں آج ہم کہہ کے اپنے آپ کو کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ذمہ دار نہیں ہیں اس کے وہ دوسرے ذمہ دار ہیں قرآن برابر کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ اور اس کے بعد عزیزانِ من! جیسا میں نے عرض کیا تھا وہ فرد کو بڑی قوت کا مالک قرار دیتا ہے اس کی Will power اس کی قوتِ ارادی

اس کا عزم وہ کہتا ہے کہ یہ دنیا میں ہر شر کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس شر کو مغلوب نہ کر سکے تنہا لیکن یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔

قرآنِ حکیم میں ابلیس کا خدا کے ساتھ مکالمہ انسان کو اپنی اصلاح کی ترغیب دیتا ہے:

بڑی خوبصورت چیز ہے جو قرآن میں ہے۔ ابلیس کا خدا کے ساتھ مکالمہ ہو رہا ہے وہاں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنے اوپر جو دروازے باز آفرینی کے اور اصلاح کے بند کر لیے تو جاؤ پھر قیامت تک تم اسی طرح سے سرگرداں رہو گے۔ اور ضمناً میں عرض کر دوں کہ یہ دروازہ بند کس طرح سے ہوتا ہے۔ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں لیکن بات چونکہ سامنے اس آیت میں آ گئی وہ میں عرض کرتا ہوں۔ آدم کو بھی ایک حکم دیا گیا کچھ کہا گیا اس نے بھی معصیت کی' ابلیس کو بھی ایک حکم دیا گیا اس نے بھی معصیت کی دونوں کا جرم ایک جیسا ہے۔ آدم سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (7:23) میرے پروردگار! میں ذمہ دار ہوں اپنی غلطی کا' میں نے غلطی کی۔ کہا کہ جب تم نے ذمہ داری کو قبول کر لیا ہے اپنی غلطی کا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصلاح کے دروازے تم پہ کھل گئے اب تم اپنی اصلاح کر سکتے کیونکہ تم نے اپنی غلطی کو مان لیا اپنے اوپر اس کی ذمہ داری کو لے لیا۔ پہلی چیز ہے عزیزانِ من! اصلاح کے لیے غلطی کا اعتراف اور یہ بات کہ اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (7:23) ہم نے اپنے آپ پہ زیادتی کی ہے ہم اعتراف کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں! فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (2:38) ٹھیک ہے اس وقت غلط راستے پہ پڑ گئے اس کے بعد ہماری ہدایت تمہارے ساتھ ہوگی صحیح راستے پہ چلنا کچھ نہیں بگڑا۔ ابلیس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ (15:39) میں نے کہاں کیا میں تو مجبورِ محض ہوں اختیارِ مطلق تو تمہارے ہاتھ میں ہے تمہارے حکم کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا مجھ میں ایسی طاقت کہاں تمہارے حکم کے بغیر کوئی بھی اس قسم کی بات کروں تم نے مجھے گمراہ کرایا تھا۔ انہوں نے کہا تم غلطی کا نہ اعتراف کرتے ہو نہ اس کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہو اس لیے اب اصلاح تمہاری ہو ہی نہیں سکتی۔ جو اپنے آپ کو جرم کا ذمہ دار ہی نہیں قرار دیتا لغزش کا اعتراف ہی نہیں کرتا دوسرے کو ذمہ دار قرار دیتا ہے آپ نے دیکھا کتنی بڑی بات کہہ دی ہے قرآن نے۔ یہ ابلیسیت ہے یہ کہنا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا کوئی نہیں! بھیجو ان کو بھی اور ہمیں بھی۔

غلط اعمال کو نگاہوں میں حسین بنا کر پیش کرنے کے ابلیسی خاصے کی وضاحت اور علاج:

میں نے عرض کیا ہے کہ یہ مکالمے یہ گفتگوئیں جو ہیں یہ سمجھانے کے لیے قرآن تمثیلی انداز سے بیان کیا کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اسے بھیجئے' پھر میں کیا کرونگا؟ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (15:39) دیکھو تو سہی کہ میں غلط باتوں کو کتنا مزین اور حسین بنا کے ان کی نگاہوں میں دل کش اور جاذب بنا کے پیش کرتا ہوں۔ کیا بات قرآن نے کہی ہے!!۔

کرتا کیا ہے وہ؟ عزیزانِ من! وجد آ جاتا ہے۔ غلط باتوں کو کتنا حسین بنا کے ان کی نگاہوں میں رکھتا ہے بس یہ ہے جو میں نے کرنا ہے اور پھر دیکھو کہ میں کس طرح سے ان سب کو غلط راستے کے اوپر ڈالتا ہوں۔ جھنجھنا دے کے بچے کو مٹھائی دکھا کے ''بڈھی مائی دا جھاٹا (لچھ) والا او جیہڑا گھنٹی وجاندا پھردا سارے منڈے سکولوں نٹھ جاندے نیں ایہدے پیچھے پیچھے''۔ کہتا ہے دیکھو پھر کس طرح سے یہ غول در غول میرے پیچھے آتے ہیں۔ کہا ٹھیک ہے تمہاری Technique اور تمہارے عزائم ہمیں پتہ ہیں تم کرو گے گھنٹیاں بجاؤ گے سیٹیاں بجاؤ گے مزین کر کے دکھاؤ گے۔ لیکن (یہ ہے عزیزانِ من! بات جو یاد رکھنے کی ہے) اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (15:42) جو میری عبودیت اختیار کیے ہوئے ہونگے ان کے اوپر تیرا کوئی کسی قسم کا اقتدار و غلبہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے بھی کہا تھا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (15:40) کہا تھا کہ ٹھیک بات کہدی۔ یہ جو چیز قرآن نے کہی ہے عزیزانِ من! مذہب کی دنیا میں کہیں نہیں ملے گی۔ وہاں انسان شر کے سامنے جسے ابلیس کہا جاتا ہے بدکرداری کی قوتوں کے سامنے فرد مجبور ہوتا ہے وہاں۔ قرآن یہاں یہ چیز کہتا ہے خدا نے یہ اسی وقت کہہ دیا کہ ٹھیک ہے جاؤ جو جی میں آئے کرلو میرے بندوں پر تیرا کسی قسم کا کوئی اقتدار نہیں ہوسکتا۔ اس فرد کے انسان کے اندر یہ قوت رکھ دی گئی ہے کہ وہ شر کی بڑی سے بڑی قوت کی مدافعت کرسکتا ہے۔ جیسا میں نے عرض کیا ہے ایک تو شر کو مغلوب کرنا ہے نا وہ تو ایک اجتماعی حیثیت سے ہوتا ہے یہ افراد ایک جماعت بناتے ہیں ایک تنظیم بناتے ہیں پھر وہ اپنے ان حسنہ اخلاق کے زور پر (یاد رکھئے قرآن حسنات کے زور پہ کہتا ہے کہ سیاٰت جاتی ہیں) وہ اس طرح سے مدافعت کرتے ہیں شر کی۔ لیکن ایک فرد جو ہے اگر شر کا ازالہ نہیں کرسکتا توڑ نہیں سکتا اس کو' اپنے آپ کو اس سے محفوظ ضرور رکھ سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے یہ اتنی بڑی قوت دیدی فرد ہے کے اندر کہ وہ شر کا مقابلہ یوں کرسکتا ہے۔

مومن کے لیے عزم راسخ کا ملکہ ہی تو ایک گوہر تابدار ہے

یہ قرآن کا بڑا دعویٰ ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (15:42)۔ اور یہی ہے وہ مقام اور یہی ہے وہ پوزیشن جو انسان کی قرآن نے بتائی کہ جس سے اس کے لیے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ شر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو کرپشن یا اخلاقی بدکرداریاں کتنی ہیں وبائی امراض کی طرح جراثیم کی طرح کیوں نہ فضا میں پھیل چکی ہوئی ہوں ٹھیک ہے ان کے ازالے کے لیے اس کے پاس اتنی قوت خواہ ہی نہ ہو فرد اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ قوت کی تو ضرورت ہے شر کے اندر پھیلنے کی جو قوت ہے اپنے آپ کو اس سے روکنے کے لیے تو تقویت کی ضرورت ہے۔ لیکن بڑی چیز اس کے اندر وہ ایمان کی بات اس نے کہی ہے کہ یہ یقین جو ہے کہ جتنی یہ اقدارِ خداوندی ہیں مجھے ان سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹنا۔ پہلی یہ یقین کی چیز اور اس کے بعد پھر عزمِ راسخ۔ عزم بڑی چیز ہے عزیزانِ من! Determination جو ہے اس کی' قرآن نے جو کہا تھا آدم کے متعلق کہ وہ لغزش کھا گیا تو کہا یہ تھا کہ ہم نے اس میں عزم نہیں پایا۔ عزم بڑی چیز ہے اور اس کی مثالیں تو آپ کو آج کے اس معاشرے کے اندر بھی جہاں واقعی اس قدر یہ بدکرداری اور یہ کرپشن عام ہوگئی ہے کیونکہ وہ وبائی امراض کے جراثیم کی

طرح سانس کے ذریعے سے بھی اندر جارہی ہے اتنی عام ہورہی ہے۔اب بھی خدا کے بندے آپ کو ایسے ملیں گے کہ جو اپنی ذات کو کم ازکم ان چیزوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں انہوں نے رکھا ہوا ہے۔ایسے ہیں موجود عزیزانِ من! میرے علم میں ہیں۔ تکلیفیں تو بڑی برداشت کرنی پڑتی ہیں پہاڑ کی گھاٹی ہے یہ جسے چڑھنا پڑتا ہے۔ٹھیک ہے ندی کے اوپر کی طرف جورخ ہے اس طرف جانا ہوتا ہے ناکشتی کو لے کے۔ بہاؤ کے ساتھ جانے کے لیے تو بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔ چڑھاؤ کی طرف کشتی کو لے جانا ہوتا ہے۔لیکن اس کے اندر وہ قوت ہوتی ہے۔وہ افراد دیکھے ہیں میں نے جن کے اندر یہ قوتیں ہیں وہ مومن ہیں کہ جو شر کا مقابلہ کرتے ہیں۔تکلیفیں آتی ہیں مشکلات آتی ہیں عزم کی یہاں ضرورت آکے پڑتی ہے۔وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اپنی اس چیز کو اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فی الواقعہ فرد کے اندر یہ قوت رکھی ہے خدا نے کہ وہ اپنی ذات کو کم ازکم محفوظ کرسکتا ہے اس شر سے۔اور یہ تھی وہ چیز جس کے لیے کہا تھا کہ یہ ساری اضافی نسبتیں یہ تمام معذرت کوشیاں جن کو تم یہاں کررہے ہو یہ ساری کی ساری جتنی بھی ہیں وہ سب یہاں رہ جائیں گی۔وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (6:95)۔

خدا کے پاس اکیلے جانے کا مفہوم ہی یہ ہے کہ انسان کی کوئی اضافی چیز اس کے ساتھ نہیں جائے گی:

ایک فقرے میں اس سارے کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو کچھ تم ہوگے وہ آؤ گے ہمارے سامنے' جو کچھ تمہارا ہوگا وہ سارا پیچھے رہ جائے گا۔ جسے بھی آپ میرا کہہ کر پکارتے ہیں وہ سارا پیچھے رہ جائے گا وہ کچھ کام نہیں دے گا میں کیا ہوں میں کیا بنا ہوں یہ چیز ہے جو آگے جائے گی۔پھر سن لیجیے کہ جسے انسان میرا کہتا ہے یا میری کہتا ہے یہ اضافی نسبتیں ہیں: میرے ماں باپ' میرا خاندان' میرا گروہ' میری پارٹی' میرا مال ودولت' میرے دوست واحباب' میرا معاشرہ' میرے لیڈر' میری جائیدادیں۔ آپ دیکھتے ہیں میرا ہے یہ سب کچھ۔جب آپ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کب کہا تھا' اس میں میرا کچھ نہیں ہوتا' میں نے یہ کہا تھا' میں نے یہ کیا ہے' میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے۔دیکھا آپ وہ میں اور میرے میں فرق کیسے آپ کرتے چلے جاتے ہیں۔یہ میرا جو کچھ ہے یہ سب رہ جائے گا۔میرا مال ودولت' میں یہاں تک آیا تھا اور آگے چلئے آپ کہتے ہیں یہ میرا جسم' یہ بھی یہاں رہ جائے گا اب میں ہی آگے جائے گی۔میں یہ جسم بھی نہیں ہے صاحب۔

انسانی ذات کی تعمیر انسان کے اپنے اعمال سے ہوتی ہے اضافی چیزوں سے نہیں:

یہ جو میں جسے آپ کہتے ہیں اور یہ وہی چیز ہے کہ جسے آپ انسان کی قوتِ ارادی کا حامل کہتے ہیں فیصلہ کرنے والی اندر ایک شے جو ہے اسی کو انسان کی انفرادیت کہا جاتا ہے۔وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی (6:95) تمہاری انفرادیت (Individuality) ہمارے پاس آئے گی میری کی چیزیں کوئی نہیں آئیں گی۔تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ (6:95) سب پیچھے رہ جائیں گی۔فُرَادٰی کے معنی Individuality ہے تمہاری انفرادیت تمہارا فرد تمہاری ذات یہ آئے گی ہمارے

سامنے۔ اور وہ یہ نہیں کہ کوئی بوجھ اٹھائے ہوئے ساتھ لاتی ہے وہ تو جو کچھ آپ کرتے ہیں سوچتے ہیں ارادے آپ کرتے ہیں ان سب سے وہ کچھ بنتی جاتی ہے۔ غلط چیزوں سے بگڑتی جاتی ہے اچھی باتوں سے بنتی جاتی ہے۔ یہ بگڑی ہوئی بنی ہوئی جو کچھ بھی ہے وہ کہتا ہے یہ تو آئے گی ہمارے سامنے اور جسے تم نے میرا کہا تھا یہ سب پیچھے رہ جائیں گے۔ آپ سوچئے عزیزانِ من! کہ انسان اس میں کے لیے کیا کرتا ہے اور جنہیں یہ میرا کہتا ہے ان کے لیے کیا کرتا ہے۔ قرآن نے جو کہا تھا کہ یاد رکھو! یہ بیوی بچے تمہارے دشمن ہوجاتے ہیں دوسری جگہ کہا تھا یہ فتنہ ہوتے ہیں تمہارے لیے۔ بیوی بچوں کو قرۃ العین بھی کہا ہے اس نے' آنکھوں کی ٹھنڈک بھی ہوتے ہیں۔ لیکن فتنے کا موجب ہوجاتے ہیں دشمن ہوجاتے ہیں۔ یہ میرے ہیں نا ان کی خاطر کتنا کچھ انسان کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کے لیے تو اس کو بہت تھوڑی سی ضرورت ہوتی ہے جسم کی پرورش کے لیے' یہ اس سے آگے پھر جو میرا ہوتے ہیں نا یہ اس کے لیے سارا کچھ کرتا ہے۔ میری زمینیں اور میرے کارخانے اور میری یہ سکیمیں اور میرا مال و دولت اور میرے بچے اور میرے یہ کچھ سارا کچھ میرا ہو رہا ہوتا ہے صاحب۔ کبھی اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ میرے کی خاطر تو میں اتنا کچھ کر رہا ہوں میں کی خاطر میں کیا کر رہا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوتا کہ یہ میرے جو ہیں ان کو سنوارتے سنوارتے میں بھی بہہ جائے اس کے اندر' بس یہ تباہ ہوا۔ قرآن نے کہا ہے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (7:53) جن کی ذات نقصان میں رہتی ہے جن کی میں نقصان میں رہتی ہے خسارہ یہ ہے۔ تو عزیزانِ من! جسے آپ اعمالنامہ کہتے ہیں محاسبۂ خویش کہتے ہیں اسے ہر رات سونے سے پیشتر یوں اس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ ہم محاسبہ کرتے ہیں میرے کے متعلق' میں نے کاروبار کتنا کیا آج نفع کتنا ہوا میرا مال کتنا بڑھا اس میں کتنا نقصان ہوا میں نے بیٹے کے لیے کیا بنایا یہ سارا کچھ حساب کتاب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کبھی یہ بھی حساب کر لینا چاہیے کہ یہ سارا کچھ جو میں نے میرے کے لیے کیا ہے اس میں میں جو ہے اس کو میں نے کیا کر لیا ہے۔ وہ بھی ضروری ہے کرنا بشرطیکہ اس کو نقصان نہ اس سے پہنچے۔ سب کچھ کیجیے یہ۔ لیکن اگر اس کے لیے جو کچھ کیا ہے اس سے اسے نقصان پہنچ گیا ہے یہ ہے سودا خسارے کا عزیزانِ من!۔ اس لیے کہ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی (6:94) ہمارے سامنے تو تم جو کچھ بن گئے ہوئے ہو وہ آئے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے تو اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ روزِ محشر تم یہ نہ سمجھنا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی ہوں

تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (6:94) وہ سارا کا سارا جو کچھ یہ مال و دولت اور میرا تھا وہ سارا پیچھے رہ جائے گا تَرَكْتُمْ چھوڑ جاؤ گے اپنے پیچھے۔ کہا اور اس کے بعد وہ جن کے بڑے بڑے دعوے تھے کہ ہاں صاحب! ہم تمہاری شفاعت کر کے تمہیں چھڑا لیں گے ہم بچائیں گے تمہیں صاحب۔ اس میرے کے لیے بھی تو تم بہت کچھ کرتے تھے میرے پیر و مرشد میرے حضرت صاحب یہ سب کچھ تم کرتے تھے۔ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ

فِيكُمْ شُرَكَآؤُا (6:94) کہا کہ وہ جن کے متعلق تمہارا زعمِ باطل یہ تھا کہ یہ وہاں چھڑا لیں گے اور اس اعتبار سے تم نے ان کو ہمارا برابر کا شریک بنا دیا تھا خدا پکڑے گا یہ چھڑائیں گے۔ دیکھا یہ یعنی کچھ خدا سے بھی بڑا۔ ذہن میں تو بڑے بڑے شعر اور مصرع آ رہے ہیں جن کو بڑے جوش و خروش سے تکیے دائروں میں نہیں مسجدوں کے اندر بھی اسی طرح سے گایا جاتا ہے جس میں خدا کی گرفت ہوتی ہے اور یہ چھڑانے والے وہاں ہوتے ہیں۔ لیکن کیا ضرورت ہر ایک کو اس کا زعم ہے۔ کہا وہ زعم سنئے جن کے متعلق تمہارا زعم یہ تھا کہ یہ چھڑا لیں گے انہیں بھی ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھ رہے بھئی۔ یہ انداز دیکھئے ''اوئے اووی نئیں ہیگے'' وہ بھی نہیں ہیں۔ تم نے انہیں نہیں چھوڑ دیا تھا وہ تو وہ کچھ تھا نا' انہوں نے ہی تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس لیے کہ ''او ہناں نوں تے اپنی پئی ہوئی ہووے گی''۔ وہ جو قرآن نے کہا تھا کہ اس دن ہر فرد کو اپنی پڑی ہوگی۔ اتنا کچھ ہوگا کہ اسے فرصت ہی نہیں ''ویل ای نئیں لبھے گی کسے دو ہے دی گل سنن دی وی او تھے اینی اپنی پئی ہوئی ہووے گی صاحب'' ان کی تو یہ کیفیت ہوگی۔ ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ وہ کہاں گئے۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (6:94) وہ سارے رشتے جو میرے کی وجہ سے تم نے قائم کیے ہوئے تھے جن چیزوں سے' کٹ گئے وہ رشتے آج۔ اللہ اکبر۔ کبھی آپ نے تیز ہوا میں اس گڈی کو دیکھا جس کی ڈور کٹ گئی ہو پھر وہ کس طرح سے ہواؤں کے رخ کے اوپر بے بسی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر پھر رہی ہوتی ہے۔ وہ جو رشتہ ہوتا ہے وہ کٹ جاتا ہے۔ کہا کہ وہ جو میرے ہونے کے رشتے تھے وہ آج کٹ گئے اور جو کچھ تم زعمِ باطل اپنے دل میں رکھا کرتے تھے سب کا سب ختم ہو گیا کچھ اس میں سے باقی نہیں ہے۔

انسان کی تمام نفسیاتی پریشانیوں کی بنیادی وجہ اس کا اپنا میرٹ ہوتا ہے:

عزیزانِ من! جو کچھ میں نے عرض کیا ہے بار بار اس پہ غور کیجیے گا قیامت کا حساب کتاب اور وہاں کا عذاب و ثواب برحق ہے اور وہاں جا کر ہوگا۔ جیسا کہ قرآن بھی بتاتا ہے اور میں بار بار یہ کہتا ہوں یہاں سے شروع ہو جاتا ہے وہ۔ یہ آپ اب کسی سائیکولوجسٹ سے پوچھئے کہ یہ جو انسان کی میں کے اندر یہ اتنے Complexes اور گرہیں اور اضطراب انگیز چھپی ہوئی کیفیتیں یا نشتر ہوتے ہیں وہ یہ جو میرا جن چیزوں کو کہا جاتا ہے نا یہ ان کی وجہ سے اس کے دل کے اندر یہ پیدا ہوئی ہوئی چیزیں ہیں اور ان کو اس کا نفسِ شعوری بھلا بھی چکا ہوتا ہے یاد بھی نہیں اس کو ہوتا۔ لیکن قرآن جب یہ ایمان دیتا ہے کہ تم تو صرف اپنے ذمہ دار ہو اس اس میں دونوں طرح کی نسبتوں کو کاٹ دیتا ہے۔ یہ وجۂ تفاخر جو نسبتیں تمہارے پاس ہیں یعنی آن میرٹ تم ایسے نہیں ہو بلکہ کسی کی طرف نسبت کرنے سے تم نے اپنے آپ کو خود اونچا اتنا بنا لیا ہے۔ وہ جو اقبالؒ نے کہا ہے

تو قدرِ خویش نادانی بہا ز تو گیرد
وگرنہ لعلِ درخشنداں بدخشاں محض سنگ است

کیا لعل و گوہر انسانی ذات سے زیادہ قیمتی ہیں؟

کہتا ہے تو یہ لعل و گوہر جو ہیں جواہرات جو ہیں یہ موتی جو ہیں بڑی قیمت ان کی ہوتی ہے صاحب' لاکھوں روپے اتنے اتنے سے ٹکڑے کی۔ کہتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ ان کے اندر کوئی ذاتی ان کی قیمت ہے یہ' ان کے اندر ذاتی طور پہ ایسی چیز ہے کہتا ہے بالکل غلط ہے۔ یہ تو ان کی اتنی قیمت تیری وجہ سے ہے۔ اے وہ جو تیری وجہ سے ان کی قیمت ہے کبھی اپنی قیمت پہچان تو سہی کہ کتنی ہوگئی۔ اضافی نسبتوں کی بناء پہ اپنے لیے وجہِ تفاخر اس کو قرار دے لینا بڑی بھول ہے بڑی غلطی ہے اس سے میں نہیں سنورتی بڑے فریب میں انسان رہتا ہے اس میری کی نسبت میں۔ فلاں ذات کا' فلاں گوت کا سید ہے اور پٹھان ہے فلاں خاندان کا' چلا آ رہا ہے۔ کسی زمانے میں مغلوں کے زمانے کے اندر کوئی قاضی صاحب ہونگے۔

ذات کی پختگی کے برعکس قدم قدم پر جھوٹی انا کے تفاخر کی حفاظت کی فکر بڑی اذیت ناک ہوتی ہے:

صاحب' آج کسی سے پوچھئے کہ صاحب! اسمِ گرامی آپ کا جی؟ قاضی ثناء اللہ ''اوتوں تے اوتھے کلرک ہیگا ایں''۔ کہیں عباسیوں کے دور میں کوئی ان کے ہاں کے صاحب مفتی ہونگے صاحب' کون صاحب ہیں صاحب؟ مفتی رشید الدین ''اوتینوں تے افتاد ے لفظ دے معنی وی نئیں اوندے ہیگے' کہندا تاں کی ہویا مفتی تے ہونے آں''۔ دیکھا لفظ کتنے فریب انگیز ہوتے ہیں ''کیندا مفتی ہیگا نئیں میں' اسی مفتی ہونے آں''۔ ''اوہ پوچھدا اے' وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی (6:94) ''او پوچھدا اے توں کی ہیگا ایں''۔ کتنی دور سے یہ چیز آتی ہے عزیزانِ من! کتنا بڑا فریب ہے انسان جو اپنے آپ کو دیتا ہے۔ فخر تو کہتے ہی اس خالی ڈھول کو ہیں جس کی آواز زیادہ ہو اسے کہتے ہیں عربی زبان میں فخر۔ یہ تو ہوئی تفاخر کی طرح سے' Psychologically یہ بھی بڑے عیب پیدا کرتا ہے انسان کہ جو میرٹ اپنا نہیں ہے اضافی زَعَمْتُمْ سے بزعمِ خویش اس کو اپنے لیے Meritorious تصور کر کے پھولے سمانا نہیں کہ ہم یہ ہوتے ہیں صاحب۔ یعنی سید کہلا کے یونہی خوامخوہ کے لیے یہ اپنے آپ کو یہ کنجڑوں اور نائیوں کے متعلق سمجھنا کہ ہم بڑے ہیں صاحب ہم سید ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف Complexes جو ہوتے ہیں یہ جنہیں ہم نے معاشرے کے اندر کمین یا کم ذات کے یا چھوٹی ذات کے بنا دیا۔ لفظ نکل گیا منہ سے' گالی ہوگئی ہے کم ذات۔ دیکھا آپ نے! ہم نے کیا کر دیا ہے معاشرے کے اندر۔ وہ انسانی بچہ جو اس ماں باپ کے گھر میں Biologically صرف پیدا ہوا طبعی طور کے اوپر' وہ کوئی نسبت اپنے ساتھ نہیں لایا ہے نہ اپنے ماں باپ کے نائی ہونے کی نہ کمہار ہونے کی نہ سقہ ہونے کی نہ کنجڑا ہونے کی۔ شروع سے ہی آپ نے اس اضافت سے اس کے اندر ایک تذلیلِ خویش کا احساس ابھار کے رکھ دیا ہے اس کی ساری Self اور انا اور Ego جو ہے وہ ساری اس سے متاثر ہوئی ہوئی عمر بھر رہتی ہے۔ یہ گرہیں نہیں نکلتیں اندر سے۔ یہ اضافت ہے۔ پھر اس کے بعد جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ وہ باپ اگر اتنا بڑا امیر ہے اتنا بڑا صاحبِ عزت ہے یعنی یہ لڑکا اس کا میٹرک تک پاس نہیں کر سکے لیکن اپنے آپ کو پوچھو نہیں سمجھتے کیا ہیں۔ ٹھیک ہے اتنی بڑی مرسڈیز کے اندر جاتا ہے طرہ اتنا بڑا ہوتا ہے' میں اس کا کچھ نہیں ہے میرے کی وجہ سے یہ ساری چیز

ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف وہی جو میں نے عرض کیا تھا غریب آدمی مزدور کا بیٹا ہے آن میرٹ کتنا بڑا کیوں نہ ہوجائے وہ جو باپ کی نسبت چلی آ رہی ہے معاشرہ بھی اس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کی وجہ سے اس کے دل کے اندر بھی Complex پیدا ہوگیا ہوا ہے۔

انسانی دنیا میں قرآنی معاشرے کی خصوصیات:

میں نے عرض کیا ہے کہ وہاں کی جنت اور جہنم برحق ہے قرآن اس زندگی میں تمہیں جنت دینا چاہتا ہے کہ یہ جتنی چیزیں یہ زَعَمْتُمْ جسے قرآن نے کہا ہے یہ جتنے بھی ہیں یہ معاشرہ ایسا پیدا کرتا ہے جس میں ان نسبتوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہاں صرف فرد کی انفرادیت کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ آن میرٹ کیا ہے اس کی عزت بھی آن میرٹ ہوتی ہے۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (6:132) سوسائٹی میں ان کے مدارج کا تعین ان کے جوہرِ ذاتی کی بناء پہ ہوگا۔ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (49:13) سب سے زیادہ واجب العزت جو سب سے زیادہ جوہرِ ذاتی سے متصف ہے۔ اور کسی کو اسی طرح سے یہ غلط نسبتیں جو ہیں ماں باپ کی یہ ذات اور گوت کی یہ تمام کی تمام وہ مٹا دیتا ہے صاحب۔ یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ

بندۂ عشق شودی ترکِ نسبتم جامی
کہ دریں را فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

تمدنی لحاظ سے اضافی طور پر باپ، بیٹے کا بھائی، بہن کا رشتہ بھی تو بعد کی معلومات پر ہی استوار ہوتا ہے:

اور یہ جو عزیزانِ من! کہ فلاں باپ ہے فلاں بھائی ہے آپ کو معلوم ہے کہ یہ بنیادی طور پہ یہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ جو آپ پیدا ہوتے ہیں کسی کے گھر میں اور اس کے بعد جب آپ بڑے ہوتے ہیں ناجوں جوں سمجھنے لگ جاتے ہیں کسی کو تو وہاں ہوتا ہے یہ ابا تمہارے آئے یہ بھیا ہیں۔ آپ کو یہ بتایا جاتا ہے پھر وہ باپ بنتا ہے وہ بھائی بنتا ہے۔ اس بچے کو پیدا ہونے کے ساتھ ہی کہیں چھوڑ آیئے آسٹریلیا میں اور کچھ نہ بتایئے کہ تمہارا باپ کونسا تھا۔ ہیں ایسے بچے۔ وہ بڑا ہوجائے وہاں، وہاں اس کا باپ بھی موجود ہو کوئی تعلق ہی آپس میں نہیں ہوگا ان کا جیسے اور افراد باقی لوگ اسی قسم کا وہ ہوگا۔ بھائی کے متعلق بھی اگر نہ بتایا جائے یہ تمہارا بھائی ہے بالکل یہی صورت ہوگی۔ بہنوں کے متعلق نہ بتایا جائے کچھ بات ہی نہیں ہے۔ یہ تو سارا کچھ اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہ نسبتیں جو ہیں اس کے شعور میں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ نہ بتانے کی چیزوں کے بعض اوقات ایسی صورتیں آجاتی ہیں انگلینڈ کے دو بچے جو اس جنگ کے دوران انہوں نے اپنے بچوں کو بھیج دیا تھا آسٹریلیا وغیرہ میں، وہ بچے وہاں بڑے ہوئے سب کچھ ہوا۔ ایسا اتفاق ہوا پتہ کسی کو کسی کا نہیں تھا کون کس کا بیٹا ہے کون کس کا بھائی ہے۔ اور اس کے بعد وہ کوئی ینگ لڑکا اور لڑکی تھے انہوں نے شادی کر لی آپس میں ان کے ہاں بچے بھی پیدا ہوئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد کسی

طرح سے کوئی چیز اِدھر اُدھر ہوتی ہوائی یہ معلوم ہوگیا کہ یہ تو بہن بھائی ہیں۔کل تک کوئی ان کے دل کے اندر کسی قسم کا Complex نہیں تھا آج جو یہ پتا بتایا ہے چیخ اٹھے صاحب۔یہ کیا ہے؟ یہ نسبتیں ذاتی طور پہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں یہ تمدنی چیزیں ہیں معاشرے کی چیزیں ہیں یہ ہونی چاہئیں بڑی ضروری ہیں انہیں تعلقات سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔یہ زندگی کے لیے روابط ہیں رشتے ہیں تاگے ہیں جن سے یہ زندگی کے صفحات اور یہ ورق جو ہیں اکٹھے ہو کے ایک کتاب بنتے ہیں۔ لیکن میں جو کہہ رہا ہوں وہ یہ اور جو قرآن کہہ رہا ہے وہ یہ کہ ان نسبتوں کی بناء پر ایک فرد جو ہے اس کو کسی طرح متاثر نہیں ہونا چاہیے۔فرد کو صرف اس کے ذاتی کردار و اقدار اور اعمال و افعال کے متعلق ذمہ دار قرار دینا چاہیے۔میرٹ ہے اس کو اعتراف کیجیے عزت دیجیے' ڈی میرٹ ہے اس کا وہ جرم ہے جرم کے متعلق جو بھی سزا ہے وہ دیدیجیے۔وہ ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں کسی فرد کو کسی اضافی نسبت کی بناء پہ نہ کوئی بے جا عزت ملتی ہے نہ وہ چیز وجہِ تذلیل ہوتی ہے۔تو آپ دیکھئے کہ کوئی معاشرہ جس میں کسی نسبت کی بناء پہ مجھے کسی قسم کی خفت محسوس نہ ہو ندامت محسوس نہ ہو شرمندگی محسوس نہ ہو کتنی بڑی چیز ہے جو مجھے ملے گی۔اور یہ اس نے کہا ہے کہ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى (6:94) ہماری بارگاہ میں ہماری عدالت میں ہمارے میزان میں فرد آتا ہے۔ اور یہ جو Materialistic Concept of life ہے ان کے نزدیک فرد Individual یا Individuality ہوتی نہیں ہے۔حیوانوں کے اندر Individuality نہیں ہوتی اس میں ایک فرد نہیں ہوتا۔وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ سارے کا سارا ایک معاشرہ ہی ہوتا ہے فرد کی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔اور اسی نے یہ تباہیاں ساری پیدا کی ہوئی ہیں۔قرآن بالکل اس کے برعکس ایک فلسفۂ حیات دیتا ہے جس میں ہر فرد کی انفرادیت کا اعتراف کرتا ہے اس کی Respect کرتا ہے اور اسے اپنے ہر ایکشن کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ایک ہی آیت تھی 95 جسے آج ہم سامنے لائے۔لیکن بڑی بنیادی بات تھی۔اب سوال یہ پیدا ہوگیا کہ صاحب! یہ مرنے کے بعد کی زندگی جو اس نے کہہ دی ہے یہ کس طرح سے ہے کیسے ہوگی۔آپ دیکھئے گا قرآن میں ربط' بات یہ ہوئی ہے کہ وہ جو تخلیقِ جدید ہے وہ کیسے ہوگی فوراً آگے کہا کہ تم اس کے متعلق تو متعجب ہوتے ہو یہ ٹھیک ہے کہ ہم آج تمہیں دکھا تو نہیں سکتے آنکھوں سے کہ یہ دیکھو اس طرح سے مردہ وہ زندہ ہوا۔ لیکن اگر تم یہاں کائنات کے نظام کے اوپر اپنے گرد و پیش پہ غور کرو تو تمہیں یہ نظر آ جائے گا کہ یہ جو زندگی سے مردہ اور مردہ سے زندگی کے یہ جو تغیرات ہیں یہ تو روز ہر سانس میں تمہارے سامنے ہوتے رہتے ہیں ان پہ غور و فکر کرو گے تو یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی کہ انسان بھی مرنے سے مرتا نہیں ہے اس میں سے زندگی آگے پھوٹتی ہے۔اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (6:95) لیکن یہ بات ہم اگلے درس پہ اٹھا رکھتے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (2:127)

ڈاکٹر علی نصیر عباسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار
جدید سائنس کے انکشافات

یوم پاکستان کے موقع پر بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) کے زیر اہتمام 31 مارچ 2002ء کو قرآنک سنٹر (صدر) میں ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔ اس سیمینار میں معروف ماہر نفسیات ڈاکٹر علی نصیر عباسی نے ''تشکیل معاشرہ اور قرآنی کردار'' کے موضوع پر لیکچر دیا تھا جس میں قرآنی اقدار اور عصری اکتشافات کے حوالے سے اعلیٰ کردار کی تشکیل کے ضمن میں نہایت پُرمغز اور معلومات افزا گفتگو کی گئی تھی۔ اس گفتگو کو ایک بار پھر آپ کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (سلیم اختر)

یہ سنہ 2002ء اور مارچ کی 31 تاریخ ہے' 23 مارچ کی یاد میں لگتا ہے کہ ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ آپ سب کو مبارک باد ہو اور آپ سب پر سلام و رحمت ہو کہ ایک اچھے مقصد کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ورنہ بقول علامہ اسلم جیراجپوری مسلمانوں کا اجماع و اتحاد (موجودہ تاریخ) میں ہمیشہ یا اکثر باطل پر ہی ہوا ہے۔ اس تقریب سعید پر میں تمام احباب' جو یہاں موجود ہیں اور انتظامیہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر کی خدمت میں بھی دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ جناب محترم اقبال صاحب اور ان کی ٹیم قابل تعریف ہیں کہ یہ کام محنت طلب ہیں اور ان میں کافی ٹائم اور دوسرے Resources بھی لگتے ہیں۔ اس قسم کے اجتماعات میں مجھے سائنسی تحقیق آپ کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تاکہ آپ کی زندگیاں سنور جائیں اور یہ ثابت ہو کہ ''قرآن حق ہے اور باقی سب افسانے یا وہم و گمان و قیاس''۔ ارشاد قرآنی ہے کہ ''ہم انہیں انفس و آفاق میں نشانیاں دکھاتے جائیں گے تاآنکہ یہ بات ابھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقت ثابتہ ہے۔'' (41:53)۔ میرا طریقۂ کار یہی رہا ہے اور اس آیت میں میرا شعبہ یا موضوع ''عالم انفس'' یعنی نفس انسانی کے معاملات ہیں یعنی Psychology اور Psychiatry وغیرہ۔ ڈاکٹر ودود ''عالم آفاق'' سے بحث کرتے تھے۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت دے۔ ایسے انسان اور عالم شاید ہی مسلمانوں میں پیدا ہوں۔ آج کی اس بامقصد محفل میں ایسے ہی معاملات سیکھیں گے۔ تاکہ ہمارے دل و دماغ بدل جائیں اور ہماری زندگی اعلیٰ بن سکے۔ اگر ہماری محفلیں بے مقصد ہیں' یعنی ہم ان میں کچھ اعلیٰ وارفع نہیں سیکھتے ہیں تاکہ عملی زندگی بہتر ہو تو ایسی محفلوں کا منعقد کرنا وقت کا اور زندگی کا

زیاں اور محض فرار زندگی یعنی Escapism کی قسم ہے۔ اس لئے آپ سے تھوڑی سی محنت چاہوں گا۔ یعنی آپ کو تھوڑی Effort کوشش کر کے گہری توجہ قائم رکھنی ہوگی۔ قرآن حکیم اور علم نفسیات کا قانون مسلمہ ہے کہ ''بغیر محنت وجدوجہد کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا''۔ ہمارا موضوع کچھ ایسا ہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ضروری ہدایت جو نفسیاتی نوعیت کی ہے کہ میرے لیکچر کا تعلق بڑے نازک گوشوں سے ہے' اس میں عین ممکن ہے کہ آپ کے دل و دماغ میں منفی جذبات و احساسات شعوری و لاشعوری طور پر پیدا ہوں۔ تو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ وہ آپ کا ذاتی ردعمل (Psychosocial-Response) ہے۔ میرا مقصد آپ کے جذبات کی توہین نہیں ہے۔ اگر آپ کو یہ محسوس ہو تو یہ آپ کا ذاتی جذباتی ردعمل ہے۔ آپ کی دل آزاری میرا مقصد نہیں' ہوسکتا ہے میری اپیل آپ کی ''عقل'' یا ''Reasoning Faculty'' سے ہے جذبات سے نہیں۔ آپ میں اگر منفی ردعمل پیدا ہو' تو ''علم'' حاصل کرنے اور سیکھنے کے ردعمل کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ نا کہ جذباتی ردعمل وغیرہ۔ ورنہ آپ کچھ بھی سیکھ نہیں سکیں گے۔

ہمارا موضوع ہے تشکیل معاشرہ (پاکستان اس میں شامل ہے) کے لئے قرآنی کردار کی تشکیل۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'پاکستانی معاشرہ' کے لئے یا کسی اور معاشرہ کے لئے بھی ''قرآنی کردار'' کی ضرورت؟ لیکن کیوں؟ اس سے کیا فائدہ؟ اور ایسا نہ کرنے سے کیا نقصان ہوگا؟ اس طرح کے زندگی کے اہم ترین مسائل پر تو تحقیق سب سے زیادہ مسلمان ممالک میں ہونی چاہئے تھی۔ بہرحال کس کس بات پر روئیں اور ہمارا تحقیق سے کیا واسطہ؟ مفکر عظیم جناب پرویز صاحب نے ایک بار بڑے دکھ سے اور الم انگیز انداز میں ٹھیک کہا تھا کہ ''پاکستان میں ''علم'' جنس کا سد سمجھا جاتا ہے''۔

میں شروع ہی سے اپنا نکتۂ نظر بتا دینا چاہتا ہوں کہ چاہے وہ پاکستان کی تشکیل ہو یا کسی بھی معاشرہ کی تعمیر و بقا' اسکا دارومدار ''کردار'' یا ''کیریکٹر'' پر ہی ہے اور ہمیشہ یہی قانون رہا ہے اور رہے گا۔ ماضیٔ قریب میں (1947) آزادیٔ و تشکیل ملک پاکستان کی وجہ بھی ''کردار'' تھا اور مزید ترقی و بقا بھی ''قرآنی کردار'' کے ذریعے ہی سے ہوگی ورنہ نہیں۔

میں یہی حقیقت جدید سائنس کی تحقیقات سے ثابت کرنا چاہوں گا۔ قرآن حکیم کا سارا زور ہی کردار پر ہے یعنی "Character Is Destiny"۔ قومی معاملہ ہو یا معاشرتی یا شخصی (Individual/Personal) ہو' یہ ہی قانون ہے۔ یعنی تشکیل کردار یا کیریکٹر سازی کے بغیر انسانی مسائل حل نہیں ہوں گے چاہے آپ کچھ بھی کر لیں۔ کراچی کے Defence میں رہ لیں یا امریکہ چلے جائیں یا چاند پر چلے جائیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آیئے مزید تفصیل سے سمجھیں یعنی سائنس کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔

اس علم کو یا Study کو عام طور پر نفسیات میں "Characterology" کہا جاتا ہے۔ یہ اب تو ایک باقاعدہ شعبۂ علم بن چکا ہے۔ اب اس کے بڑے بڑے ماہرین تحقیق و تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں' خاص طور پر معاشرتی اور تنظیمی معاملات میں تشکیل کردار یعنی لیڈروں کا کردار ''اعلیٰ'' ہونا ضروری ہے۔ ورنہ سب کچھ بے کار ہے۔

ساری کوششیں جو صدیوں سے ہو رہی ہیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

ابھی ایک ریسرچر Sheehy نے تشکیل معاشرہ اور کردار سے متعلق 25 سالہ تحقیق کا نام ہی "Character" رکھا ہے۔ جس کی ابتداء ہی کچھ یوں ہے۔ ''اگر آپ عمل کا بیج بوئیں گے تو عادت کا پھل کاٹیں گے۔ پھر اگر عادت کا بیج بوئیں گے تو کردار یعنی کیریکٹر کا پھل کاٹیں گے اور پھر اگر کردار کا بیج بوئیں گے تو ہمیں ہماری منزل مقصود مل جائے گی'' اصل الفاظ یوں ہیں۔

"Sow an act, and you reap a habit, Sow a habit and you reap a character, Sow a character and you reap a destiny."

اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنے نتائج پیش کرتی ہیں جو غور طلب ہیں مفہوم ہے کہ ''اور جیسے ہی' جس وقت ہمارے منتخب قومی نمائندے یا نیشنل لیڈر اقتدار ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو اسی لمحے ان کے کردار کا بیج قوم کی تقدیر بن جاتا ہے' قوم کی منزل مقصود اسی کردار کے مطابق طے پاتی ہے۔ قوم کی تقدیر لیڈروں کے کردار پر منحصر ہوتی ہے وغیرہ۔''

"By the time they become national leaders, the candidate's character are sown... the destiny they reap will be our own".

اور آپ حضرات متوجہ ہوں کہ معاملہ غور طلب آ رہا ہے کہ

"Finally, examining how character is formed in our national leaders, is an effective way to learn about our selves."

یہ تو ایسا لگ رہا ہے کہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہو کہ' جیسے ہم خود ہوتے ہیں ویسے ہی ہمارے لیڈر ''یا'' جیسے لیڈر ویسی ہی قوم''..... یہ ہے پیمانہ۔

ان مسائل پر گہری اور Objective Research معروضی تحقیق کرنے والے اب بھی مغرب میں بہت کم ہیں۔ تحقیق تو وہ ہی کرتے ہیں اور ان کا یہ احسان عظیم انسانیت پر ہے۔ بہر حال ان حالات میں بڑے انتظار اور مسلسل تحقیق کے بعد ہی ایسی اعلیٰ درجے کی علمی و عملی تحقیق سامنے آتی ہیں۔ جن عظیم علماء یا مفکرین نے ان معاملات کی گہری اور وسیع ریسرچ کی' ان میں ممفورڈ کا نام بہت اونچا ہے۔ بڑا عظیم عالم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اگر ہم پورے کردار یا ساری شخصیت کو نہیں سنواریں گے تو ہم فیل ہوتے جائیں گے۔ جیسے کہ پچھلے پانچ سو سال کی تاریخ میں ہوا۔ معاشرتی و معاشی و سیاسی لحاظ سے بیرونی طور پر ہم کچھ بھی کر لیں اگر ہم نے متوازن کردار یا Balanced Personality تعمیر نہیں کی تو ہماری تہذیب تنزل کی طرف گرتی چلی جائے گی جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے' تو ضرورت مکمل نشوونما ذات یا کردار انسانی کی ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔''

ڈاکٹر فرام (Fromm) جنہیں شاید نوبل انعام ملنا چاہئے تھا، لیکن مغرب کی غیر منصفانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت نے گوارا نہ کیا۔ جو ایک عظیم نفسیاتی ماہر و معاشرتی علوم کے بلند ترین عالم ہیں۔ ان کی ساری زندگی اسی پیچیدہ ترین موضوع کی تحقیق میں گزری اور ان کی ہر کتاب تقریباً اسی معاملے کی تفسیر ہے۔ خاص طور پر ان کی کتابیں۔

"To Have or To Be", "The Anatomy of Human Destructiveness", The Sane Society".

بڑی ہی قابل قدر خدمات ہیں نوع انسانی کی۔ وہ ان نتائج پر پہنچا ہے کہ تشکیل معاشرہ کے لئے اعلیٰ کردار ضروری اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن ہی نہیں اور ایسا کرنا تو کیا۔ ایسا سوچنا بھی غلط ہے اس کے برعکس سوچ Abnormal Mind یا Destructive Character کی علامت قرار دی جاتی ہے وغیرہ۔ اس کا کہنا ہے کہ اعلیٰ کردار "Being Mode" یا "Loving Character" یا (Productive-Creative Character) کے بغیر تشکیل معاشرہ ممکن نہیں۔ مثلاً "The Anatomy of Human Destructiveness" میں جو ایک Pioneering Research.... ہے اور آج تک یعنی سنہ 2002ء تک، اسکے پائے کی تحقیق نظر نہیں آتی۔ ساری کتاب میں صاف بتایا گیا ہے کہ برے یا منفی کردار یعنی Destructive Character کے لوگوں یعنی لیڈروں کے آنے سے قوموں کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور دنیا کس دردناک عذاب سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کی طرح کے حادثات اور ان سے پیدا ہونے والی تباہیاں اسی کا نتیجہ ہیں مثلاً Hitler (ہٹلر) اور Stalin (سٹالن) وغیرہ کے کردار کا نتیجہ انسانیت اب تک بھگت رہی ہے۔

لینن (Lenin) کی ساری زندگی کی جدوجہد کا خاتمہ کہاں ہوتا ہے دیکھئے!

لینن کی عظیم جدوجہد سے روس آزاد ہوا اور ایک معاشرتی تجربہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ لینن کردار یعنی کیریکٹر کا قائل نہیں تھا۔ لیکن زندگی کے آخری وقت میں اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو گیا۔ جب کہ (Stalin) سٹالن کو اقتدار دیا جا رہا تھا۔ تو اس نے وصیت کی کہ ایسا نہ کریں۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ روسی قوم نے Stalin کے کیریکٹر یا کردار کا بیج بویا اور وہ دیکھو! آپ کے سامنے روسی قوم کا نظام تباہ ہو گیا۔ صدیوں کی محنت اور عظیم قربانیاں بے کار ہو گئیں۔ آج اس تجربہ کے نتیجے، عبرت کے لئے باقی ہیں۔ ساری انسانیت کے لئے یہ رک کر سوچنے اور سمجھنے کا مقام ہے کہ اس طرح کے جذباتی فیصلوں کا انجام ایسا ہی ہوگا۔

فرام کی آخری عظیم تحقیق "To Have or To Be" تو نام سے ہی ظاہر ہے۔ اس میں بھی وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اعلیٰ انسانی معاشرہ "Good Society" صرف اور صرف اعلیٰ انسانی کردار کا ہی نتیجہ ہے۔ اور برا یا ''انسانیت کش معاشرہ'' انسانیت کش کردار سے پیدا ہوتا ہے۔ جسے وہ "Having Mode" کہتا ہے۔ "Having Mode" کا

تجربہ تو ہمیں ہر پل ہو رہا ہے۔ اس کے تجربے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساری دنیا اسی کردار کے نتائج بھگت رہی ہے۔

1997ء میں ڈاکٹر Bennis نے اپنی ساری زندگی کی تحقیق پیش کی ہے۔ اس کا بین الاقوامی مقام ہے اور لیڈرشپ اور "Organizations" کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر بینس کے نتائج بھی غور طلب ہیں نوع انسانی کے لئے۔ سنئے دل کے کانوں سے۔

''ہماری کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہر طرح کی تنظیم میں (چھوٹی تنظیم سے قومی تنظیم تک) تنظیموں کی اوپری سطح کے کردار کی نوعیت و معیار (Quality) پر مبنی ہے۔''

"The Success and failure of all organization, rests on the percieved quality at the top."

اور یہ کہ ''ہم لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتے' کوئی کام ہی نہیں کر سکتے ہیں۔ ہماری زندگی کا دارومدار لیڈروں کے کردار کی نوعیت و معیار پر مبنی ہے''۔

"We can not function with out leaders. Our quality of life depends on the quality of our Leaders."

یعنی پھر قرآنی آیات کا مفہوم ہے کہ جیسے ہم ویسے لیڈر یا جیسے ہمارے لیڈر ہوں گے ویسی ہی قوم۔ آگے سنئے یہ سائنس دان کیا کہتا ہے:

''250 ملین امریکیوں کی زندگی کا دارومدار ہی لیڈرشپ پر ہے۔ ہمارا سارا کلچر یا سسٹم بحران زدہ ہے اور یہ بحران بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ امریکہ اپنا راستہ بھول چکا ہے۔ نشے کی لت کے معاملے میں ہم نمبر 1 (ایک) قوم ہیں۔ سارا معاشرہ' تمام تنظیمیں اور ادارے Institutions بحران میں ہیں۔ کیونکہ ہماری لیڈرشپ کا کردار یا کیریکٹر گر چکا ہے۔ یعنی ہمارے امراض کی تشخیص دراصل لیڈرشپ کا بحران ہے۔ جس سے سارے کے سارے مسائل ابھرتے ہیں۔ جب لیڈرشپ کا معیار (Quality) گرے گا مسائل حیات بڑھ جائیں گے۔ جس طرح انسان بغیر دماغ کے کام ہی نہیں کر سکتا ہے' اسی طرح سے معاشرہ لیڈروں کے بغیر چل نہیں سکتا ہے اور اس طرح سے تنزل و تباہی جاری رہے گی۔ جب تک لیڈروں کے کردار ٹھیک نہیں کریں گے ہم بحران زدہ اور تباہ ہوتے جائیں گے۔ یعنی پہلا کرنے کا کام اعلیٰ کردار کے لیڈر بنانا ہے اور پھر معاشرتی نظام بلند ہو سکے گا۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ لیڈرشپ ہے کیا بلا؟ ڈاکٹر بنیس کا یہ جواب انتہائی غور طلب ہے۔ سنئے! وہ کہتا ہے۔

''لیڈرشپ اعلیٰ کردار کا دوسرا نام ہے۔(Leadership is Character) یا دوسرے الفاظ میں یہ "Integrated Adult" کو کہتے ہیں۔(نشوونما یافتہ ذات) اور مزید سمجھاتا ہے کہ 'اس کے معانی ہیں کہ 'بحیثیت انسان 'ہم' کیا ہیں؟''

(Who we are as Human Being?) اور لیڈر کی تشکیل کا عملی طریقہ (process) وہی ہے جو اعلیٰ درجہ کا انسان بننے کا طریقہ ہے۔''

ڈاکٹر فرام اپنی عظیم کتاب "The Art of Loving" میں اس امر کی وضاحت کتاب کے آخری باب میں یوں کرتے ہیں کہ ''اگر اعلیٰ کیریکٹر کی خصوصیات عملی طور پر ہماری قوم کی زندگی میں مسلسل ومتواتر منتقل نہیں ہوں گی تو کچھ بھی کر لیں' ہماری پانچ ہزار سالہ تہذیب نیست ونابود ہو جائے گی۔''

ابراہیم میسلو (Maslow) کا شمار بھی دنیا کے عظیم مفکرین اور نفسیات کے سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔وہ بھی عبرت انگیز و پراز نصیحت نتائج پر پہنچتا ہے کہ ''اعلیٰ سوسائٹی کے ساتھ اعلیٰ کردار شرط اولین ہے اگر اعلیٰ کردار سازی پر معاشرہ نے توجہ نہیں دی تو ہمارا وجود مٹ جائے گا۔''

آپ نے دیکھا کہ کہاں پہنچ گئے ہیں یہ علماء یا سائنسدان اور مفکر؟ دیکھئے اور غور کیجئے کہ قرآن کی آواز کہاں سے ابھر رہی ہے۔کیا قرآن حکیم نے سچ نہیں کہا کہ ''ہم انہیں عالم انفس وآفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے تاکہ یہ بات ابھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقع حقیقتِ ثابتہ ہے''۔

پھر عرض کروں گا کہ کوئی بھی کام ہو' کوئی بھی انسانی زندگی کا معاملہ ہو اس میں کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے بغیر ایک قدم بھی ترقی ممکن نہیں۔زندگی کے ہر شعبہ میں یہی قانون حق ہے۔موجودہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم قومیں' اور ہماری تباہی و بربادی و بحران کے معاملے' جس کے ہم عین گواہ ہیں ان سب معاملات کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔یعنی لیڈرشپ کا معیار اعلیٰ نہیں ہے۔یعنی قرآنی کردار کی کمی یا نہ ہونا ہے اور یہ بات بھی غور طلب ہے کہ دنیائے علم جدیدہ کے یہ ماہرین جو تفصیل اس کردار کی بتاتے ہیں کہ جس کے بغیر بات بنتی نہیں ہے' تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے اور بات ہے بھی باعث رشک کہ وہ قالب یا "Pattern" یا "Design" بھی قرآنی کردار کی (غیر مکمل) سی تفصیل ہوتی ہے۔جس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔مختصراً عرض ہے کہ آج متمدن دنیا اپنی تحقیق سے اس مقام اعلیٰ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا انکار وہ عملی طور پر صدیوں سے کرتی چلی آئی ہیں۔نامور مفکر ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری جو مشرق ومغرب کا گہرا تجزیہ و مطالعہ رکھتے ہیں اور اسلامی تہذیب کے بڑے عالم ہیں۔اپنی تحقیق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ دل ودماغ روشن ہو جاتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ دنیا کی متمدن قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں۔جس مقام پر فاروق اعظمؓ (حضرت عمرؓ) اس زمانے میں پہنچے تھے۔لیکن یہ متمدن قومیں آج بھی اس مقام تک سخت جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ کیے بغیر نہیں

پہنچ سکیں گی۔'' (الفتنۃ الکبریٰ)۔

یورپ اور امریکہ کی تاریخ میں وہ دن سیاہ ترین دن تھا' جب ان کی درسگاہوں سے یہ اعلان کیا گیا کہ قرآن یا اسلام بھی دوسرے مذاہب عالم کی طرح ایک مذہب یعنی محض "Religion" ہے اور مذہب کو تو وہ تیاگ چکے تھے۔ قرآن حکیم کو بھی وہ عین اس مقام پر لے آئے۔ دنیا کے تمام مذاہب تو مغرب کے علماء کے نزدیک افسانے بن کر رہ گئے تھے جو حقائق کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتے تھے اور دنیا نے مغرب کے دوسرے مذاہب کے خلاف جو ردعمل اختیار کیا' اس کی شدت میں بغیر تحقیق کیے یہ جذباتی فیصلہ عام طور پر نافذ کر دیا جس کے نتائج یہ نکلے کہ وہ قرآنی حقائق کی طرف سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔ اس گناہ عظیم کے بعد کس طرح پھر حقائق قرآنی ان کے سامنے آ سکتے تھے۔ مزید یہ کہ ہمارے موجودہ کردار نے بھی تو انہیں روک رکھا ہے کہ ایسے ہوتے ہیں مسلمان جیسے ہم ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم دوگنے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا کا قانون ہے۔

اب ہم آتے ہیں تشکیل پاکستان کی طرف' کہ اس کا کردار سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ ہم وقت کی کمی اور دوسرے محرکات کی وجہ سے اختصار سے کام لیں گے۔

انیسویں صدی کا آغاز ہو چکا تھا سلطنت مغلیہ آخری ہچکیاں لے رہی تھی اس برصغیر کے مسلمانوں کی داستان زوال' مایوسی اور شکست کے ان مراحل سے گزر رہی تھی جن کا انجام حسرت ناک موت کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ مسلمانان ہند کے زوال و شکست کی یہ تاریک رات عہد رفتہ میں صدیوں تک پھیلی ہوئی تھی کہ 1857ء کی بغاوت ہند' شدت جذبات کی آخری کڑی ثابت ہوئی۔ یہ جرات مسلمانوں کو بڑی ہی مہنگی پڑی اور انگریزوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور یہ دونوں مظلوم و نہتے مسلمانوں کے خلاف ڈٹ گئے۔ آتش انتقام سے محکومی و محرومی و مظلومی' غربت و افلاس' بے بسی اور بے چارگی کے بھیانک سائے چاروں اطراف سے مسلمانان ہند کو گھیر چلے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی گویا کہ ایک قبرستان سی بن گئی تھی۔ چاروں طرف حسرت و مایوسی اور شکست کی نوحہ خوانیاں بپا تھیں اور نظر آتا تھا کہ یہ قوم اب گری یا اب۔ جیسے کہ موت کا انتظار ہو۔ یہ دم توڑتی ہوئی قوم عالم سکرات میں ایک بار پھر نشاۃ ثانیہ اختیار کر سکے گی' زندہ ہو سکے گی' ممکن ہی نظر نہیں آتا تھا۔ کوئی معجزہ ہی ایسا کر سکتا تھا۔ یہ معجزہ ہوا۔ وہ معماران پاکستان کے کردار Character کا معجزہ تھا۔ ان کے عظیم کیریکٹر نے پھر سے ہمیں دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

تاریخ بتا رہی ہے کہ قومی زندگی کے نازک ترین موڑ پر اگر ہمیں ان عظیم و جلیل راہ نماؤں کی قیادت نصیب نہ ہوتی تو آج ہم اغیار کی غلامی اور محکومی میں مزید تباہ و برباد ہو رہے ہوتے جیسا کہ پچھلے پچاس سالوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہوا ہے اور موجودہ ہندو مسلم فسادات میں جو حالت زار مسلمانوں کی ہے وہ آج آپ کے سامنے ہے۔ ان حالات کی صرف ہلکی سی جھلکیاں آپ کے سامنے آتی ہیں۔ باقی حقائق ظلم و ستم کے بارے میں پروپیگنڈا (Propaganda) اور دوسرے طریقوں کی وجہ سے سامنے نہیں آ سکتے ہیں۔

ہماری نشاۃِ ثانیہ کی داستان سرسیدؒ سے شروع ہوئی اور اقبالؒ سے ہوتی ہوئی عظیم رہنما جناحؒ پر ختم ہوئی ہے۔ یہ جیت اور تشکیل معاشرہ ان تینوں کے اعلیٰ کردار کی وجہ سے ہوئی۔ مسلمان تو کیا غیر مسلم بھی ان کے کردار کے قائل ہیں۔ میں ان تینوں میں سے صرف آخری کڑی محترم جناح کے کردار کے متعلق بہت مختصر سی بحث کروں گا۔ ویسے تو ان تینوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑا سا کہتا چلوں مثلاً علامہ اقبال جو بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ بس محض ایک شاعر و فلسفی سے ہی تھے۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ساری زندگی انہوں نے مسلمانانِ ہند اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ ان کے لئے ایک تجزیہ یہ بھی ہے کہ اگر وہ اپنی صلاحیتیں کہیں اور لگاتے' وہ اتنی تھیں کہ ''فورڈ'' وغیرہ سے بھی آگے ہوتے دولت و دنیاوی معاملات میں۔

ہم بات قائداعظمؒ کی کر رہے تھے۔ سرسید و اقبال کی جدوجہد شاید بے کار چلی جاتیں اگر جناح ان کی کی ہوئی محنت کو ساحل مراد تک نہ پہنچاتے۔ عظیم انسان و مفکر پرویز صاحب سے بڑا گواہ اور کون ہوگا۔ انتہائی مستند گواہ۔ وہ جائزہ لیتے ہیں کہ ''جناح نے پورے دور میں ایک لمحہ کے لئے بھی جذباتی رجحان کی دلفریبیوں کا سہارا نہیں لیا۔ ہندو قوم تعلیم و ترقی اور فکر و شعور کی سنجیدگی میں مسلمانوں سے کس قدر آگے تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی گاندھی جیسی شہرۂ آفاق شخصیت کو اپنی لیڈرشپ کا سکہ جمانے کے لئے مہاتمائی روپ دھارنا پڑا اور وہی انداز اختیار کرنے پڑے جو ہندو کے جذبات کو اپیل کر سکیں۔ لیکن کیا حیرت انگیز ہے سیاسیات ہند کی تصویر کا دوسرا رخ کہ جناح مسلمانوں جیسی جذباتی قوم کی قیادت کے لئے میدان میں آئے اور انہوں نے قومی جذبات پر اثر انداز ہونے کے لئے اس قسم کا کوئی ادنیٰ کھیل کھیلنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے اس قسم کی دلفریب نمائشوں سے کلیتہً اجتناب کیا۔ یہی جناح کی عظمت کا وہ امتیازی نشان ہے جسے ہم ان کے کمالات میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور یہی تھا ہماری فتح عظیم کا وہ حقیقی راز جو حصول پاکستان کا حقیقی امین قرار پائے گا۔'' اور ''پھر اقبال کے خطاب الہٰ آباد کے ٹھیک دس سال بعد جناح 1940ء میں قراردادِ پاکستان کو لے کر میدان میں آ چکے تھے اور یہ جدوجہد 1947ء میں حصول پاکستان پر منتج ہوئی۔'' یہ سات یا دس سالوں کا عرصہ! اور پھر یہ نتائج! تاریخ انسانیت حیران ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ مزید یہ کہ ہماری بے سروسامانی بھی تو دیکھئے۔ جائزہ ہے کہ

> ''تحریک پاکستان کی مخالفتوں کا ہجوم جن کا مقابلہ قائداعظم تن تنہا کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کے ہم نوا لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں تھے۔ لیکن ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ فوج کے سپاہیوں کی سی تھی۔ ان کا کمانڈر صرف ایک تھا۔ انہوں نے یہ خطرناک جنگ کس ساز و سامان کے ساتھ لڑی اس کا اعلان انہوں نے ایک اجلاس میں ان الفاظ میں کیا تھا۔ ''اورنگ زیب روڈ نئی دہلی پر میری نجی قیام گاہ کو شاید رشک کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔ مگر یہ تو دیکھئے کہ ہمارا سیکریٹریٹ کہاں ہے' فوج کہاں ہے' میرا

اسلحہ خانہ کس قدر ہے۔۔ ایک اٹیچی کیس۔ ایک ٹائپ رائٹر اور پرسنل اسسٹنٹ۔ بس یہ ہے ہمارا ساز وسامان اور اسلحہ اور فوج۔'' مفکر قرآن پرویز صاحب خراج تحسین یوں پیش کرتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ''اس مردِ مجاہد کے کردار کی پاکیزگی اور بلندی ہی تھی جس سے انگریز، ہندو اور خود اسلام کے علمبردار لیڈروں کی پیہم اور متحدہ مخالفتوں کے علی الرغم اس جنگ میں ایسی شاندار کامیابی ہوئی۔'' (طلوع اسلام دسمبر 1984ء)۔

یہ تو تھی محترم پرویز صاحب کی گواہی۔ اب آخر میں لیجئے دشمن کی گواہی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی گواہی سے مستند گواہی اور کس کی ہوگی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل انٹرویو دیا کہ ''مسلمانانِ ہند کو صرف یہ شخص ہی بامِ ترقی اور بامِ عروج پر لے گیا ہے۔

مسٹر ڈینس! میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں۔ بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اس عمر میں غلط بات نہیں کروں گا۔ میں نے سچ بات من وعن بیان کر دی ہے۔ تقسیم ہند کے ڈرامے کا واحد کردار فقط میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔ تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ مسٹر محمد علی جناح کی ذات وشخصیت تھی۔ میں نے ان میں منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا۔ اتنا بلند کردار انسان اور قومی لیڈر شاید ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے۔'' (جنگ 24 دسمبر 2001ء)۔

اور تازہ ترین جائزوں میں محترمہ شمیم انور نے، ابھی دسمبر 2001ء میں، اس پہلو کا جائزہ بڑی خوبصورتی سے اور اختصار سے یوں لیا ہے جسے کوزہ میں دریا بند کرنا کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ وہ کہتی ہیں ''تاریخ ثابت کرتی ہے کہ بہرحال جناح کے مخالفین میں برطانوی تسلط، جن کی حکومت کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ یعنی اتنی بڑی سلطنت اور قوت کی حامل حکومت، ہندو قوم جس میں ان کے دولتمند برلا وٹاٹا بھی شامل تھے اور مسلمانانِ ہند کی ساری مذہبی پیشوائیت اور تنظیمیں بھی۔ ان سب کا مقابلہ جناح نے کیا۔ ان کے پاس محض اور محض اعلیٰ کردار تھا اور دیکھو کیریکٹر کی جیت ہوئی۔ یہ تمام طاقتیں ہار گئیں۔ کیریکٹر بڑی چیز ہے۔'' تو محترم ساتھیو! یہ ثابت ہوا کہ قرآنی کردار کے بغیر اعلیٰ معاشرہ کی تشکیل یا تشکیل پاکستان یا بقاء وطن ممکن نہیں۔ اللہ پاکستان کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کے لئے انسان سازی یا کردار سازی پر توجہ دینی ہوگی۔ اسی طرح سے جیسے قرآن حکیم نے کہا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے قرآنی حقائق (Universal Laws) کو ماڈرن سائنسی تحقیق سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ شاید یہ قوانین آپ کے ''دماغ'' سے ''دل'' میں اتر پائیں۔ مزید یہ کہ محترم مفکر قرآن پرویز صاحب کے الفاظ میں ''کرنے کا کام'' یہ ہے کہ

> ''اس اعتبار سے آنے والے تمام زمانوں کے لئے سیرت رسول اللہ ﷺ اور سیرت خلفاء راشدینؓ اسوۂ حسنہ قرار پائی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سیرت وکردار کے حامل مومن قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ بنابریں جو قوم اسلامی نظام قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھے اس کے لئے کرنے کا پہلا کام یہ ہوگا کہ

قرآنی تعلیم وتربیت سے مومن پیدا کرے، جو نظام کو قائم کر کے چلا سکیں۔ جب یہ مومن پیدا ہو جائیں گے، تو وہ قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس نظام کا طریق کار بھی متعین کر لیں گے اور اسلامی قوانین بھی مرتب کر لیں گے۔ اس کے سوا اسلامی نظام کے قیام کی کوئی صورت نہیں۔''

موجودہ حالات میں ہم سب نے، اس سلسلے کے ارتقاء کے لئے زمین ہموار کرنی ہے اور بیج بونے ہیں۔ شاید صدیوں تک! پتہ نہیں فصل کون سی خوش نصیب قوم کاٹے گی۔ لیکن یاد رہے کہ جو بھی جدوجہد آپ سب نے قرآن کے مطابق کی تو ''نظام ربوبیت'' قائم ہونے میں آپ کا بھی ہاتھ ہوگا۔ کتنی بڑی سعادت ہوگی یہ اور انسانیت کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ایسی ہی خدمت سے کردار بنتا ہے اس عملِ پیہم میں ہمیں عام عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا۔ نا ہی کوئی ''عوامی'' طریقے اپنانے ہیں۔ غلط ذرائع اور وسائل کا خیال تک دلوں میں نہ لائیے۔

آخر میں میں یہ عرض کروں گا کہ میں اس موضوع کا نام یہ رکھنا چاہتا تھا۔ ''بزموں کی تشکیل و بقا کے لئے قرآنی کردار کی ضرورت'' کیونکہ باباجی کی وفات کے بعد سے ہی ہماری تحریک کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ ہم مسلسل شدید بحران کا شکار ہیں۔ جو جاری ہے بڑی تیزی سے۔ اس کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اگر سمٹایا جائے تو وجہ اس زوال کی، سبب اس بحران کا بے زری یا وسائل کی کمی نہیں ہے۔ سبب کچھ اور ہے، وہ ہے: ''کردار یا کیریکٹر سازی نہیں ہے'' یعنی زیادہ سے زیادہ شاید ہم اپنی بزموں میں لٹریچر اور درس پھیلا رہے ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے اور اس کام کے لئے آپ سب باعث تحسین و آفرین ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اندر خوشگوار قرآنی کردار تخلیق نہیں کر رہے ہیں۔ نا ہی کردار سازی پر بزموں میں زور شور ہے۔ نا کوئی پلان ہیں، اپنے خاص تقاضوں کے لحاظ سے۔ مکمل طور پر تو کردار سازی نظام قرآنی میں ہی ممکن ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ عملی طور پر ہم کچھ بھی نا کریں۔ یعنی ہمارا کردار تو روائتی پاکستانی، امریکی، برطانوی یا ہندوستانی وغیرہ رہے اور نتائج کچھ اور ملیں!

اب تو بہت سے لوگ اس عظیم ترین قرآنی لٹریچر سے بھی کچھ بور ہو گئے ہیں کہ ہمارے ہاں سے (Some thing new) کے تقاضے ہوتے ہیں کہ جو کچھ موجود ہے وہ کافی نہیں۔ ہماری بزموں میں دوسرے مصنفین کی "Low quality books" یعنی غیر معیاری کتابیں بھی بیچی جاتی ہیں اور پیش کی جاتی ہیں۔ اور بظاہر وجوہات بہت سی بتائی جاتی ہیں لیکن اصل وجوہات نظروں سے اوجھل ہیں۔ یہ شعوری و لاشعوری محرکات ہمیں ہڑپ کر جائیں گے۔ قرآنی پیغام پھیلانے کے ساتھ ساتھ، اگر ہم قرآنی کردار اپنے اندر تخلیق کرتے رہے تو ہم باقی رہیں گے ورنہ نہیں۔

نوع انسانی اور متمدن قوموں کا مستقبل صرف اور صرف خالص قرآنی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ جو کہ صرف ہمارے پاس ہے اور کہیں بھی نہیں۔ نفسیاتی و معاشرتی علوم میں یہ بار بار ثابت ہو چکا ہے کہ ''محض کتابیں شائع کرنے سے اور اعلیٰ

پائے کے مقرروں کے ذریعے پیغام پھیلانے سے معاشرہ میں تبدیلی نہیں آ سکتی ہے۔ وہ فکر جو عمل پیہم سے محروم ہو تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ فکر نیست یا فنا نہ ہو جائے۔'' ڈاکٹر فرام نے اس حقیقت کو یوں بیان کر دیا اور ڈاکٹر گروف Grof جو اس سال 2002ء میں بین الاقوامی سطح کے ماہر نفسیات و سائنسداں ہیں' وہ اس قانون کو یوں سمجھاتے ہیں کہ ''اگر فکر پر عمل نہیں کیا جائے گا تو وہ فکر معدوم ہو جائے گی۔ اس فکر کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے مشہور لیکچرز کا آغاز ہی یوں کرتے ہیں کہ ''قرآن پاک کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ 'فکر' کی بجائے 'عمل' پر زور دیا جائے۔'' حقیقت یہ ہے کہ بغیر عمل کے حق پر مبنی نظریہ بھی محض ایک تصور بن کر رہ جاتا ہے اور تصور کو اپنے اظہار کے لئے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے اگر سچے نظریہ کو تھامنے کے لئے افراد میسر نہ ہوں تو وہ صرف کتابوں تک محدود ہو کر ماضی کی یادگار بن جاتا ہے۔

عظیم مفکر و راہنما محترم پرویز صاحب بار بار کنونشن میں تربیت کے دوران یہ کہا کرتے تھے کہ ''قرآنی نظام کی داعی جماعت کے افراد کو دیکھنا کہ انہوں نے اپنے اندر کس قدر تبدیلی پیدا کی ہے۔ ان کا قلب و دماغ کس حد تک قرآنی تصورات سے ہم آہنگ ہو چکا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کہاں تک قرآنی قالب میں ڈھل چکے ہیں۔ ان کی آرزوؤں اور ارادوں کے محرکات کس حد تک قرآنی مقاصد ہیں۔ وہ اپنی ذات' اپنے اعزہ و اقارب اور دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات میں قوانین خداوندی کی کس قدر نگہداشت کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تو پھر آپ نے دوسرے معیاروں کے مطابق کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو' قرآن کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ لیکن اگر ہمارے کردار اور تصورات میں انقلاب پیدا ہو چکا ہے تو یہ کامیابی بڑی کامیابی ہے۔''

وہ بار بار سمجھاتے تھے کہ ''قرآن کریم کا حقیقی مقصد انسان کی سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنا ہے کہ اتباع کتاب کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ خود تمہاری اصلاح ہو۔ لیکن تم دوسروں کی اصلاح کے پیچھے تو لٹھ لئے پھرتے ہو' لیکن اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔'' اور یہ کہ

''آپ نہ تو اپنی دعوت کے نتائج کی سست روی سے گھبرائیے اور نہ ہی سامریان عصر حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھئے اور اسے اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اس میں سب سے زیادہ گراں بہا متاع سفر اور محکم ترین سامان حفاظت' آپ کی سیرت کی بلندی اور کیریکٹر کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز' آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لیے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی ہے۔'' ہم نے اس طرح کا سب کچھ پسِ پشت ڈال دیا ہے پھر اپنی تباہی کی وجہ پوچھتے ہیں۔

قرآن حکیم کی اقدار یا Values کے مطابق چلنے کی کوشش مسلسل کرنے سے اور ساتھ ساتھ اس پیغام عظیم کو عام

کرنے سے ہمیں ہماری منزل مل جائے گی۔ جسے ''کردار'' یا ''کیریکٹر'' کہتے ہیں۔اس طرح سے پیام قرآنی بہت تیزی سے پھیلے گا۔جیسا کہ محترم پرویز صاحب کی زندگی کے ماڈل سے ثابت ہوتا ہے۔ہمیں کچھ اسی طرح سے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق کرنا ہوگا۔اس پرامن اور آئینی اور احسن طریقے سے جو صبر طلب اور محنت طلب بھی ہے' ہم سے قربانیاں بھی مانگتا ہے' اس سے بڑے گہرے اور دوررس اثرات نوع انسانی پر مرتب ہوتے ہیں۔شاید سائنس میں ''کونز'' اسے Miami Effect کہتا ہے اور کوئی Covey کی اصطلاح میں Whale Effect اور ڈاکٹر فرام کے الفاظ میں Integrated-Step کہتے ہیں۔مثلاً قائداعظم کے آٹھ یا دس سال کا قلیل عرصہ اور محترم پرویز صاحب کی بے سروسامانی اور ہر طرف سے شدت کی مخالفت اور پھر تمام دنیا میں ان کے کام کے اثرات جو تیزی سے پھیلے اور مزید پھیلیں گے وغیرہ۔یہ زندہ مثالیں ہیں۔یہ سب صرف کردار سے ممکن ہے۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ''اپنے اللہ کے لئے ایک ایک دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ اور حالات و کوائف نے تمہیں جس منزل میں رکھا ہے وہیں سے حصول مقصد کی ابتدا کر دو۔((33/46۔تو عزیز بھائیو' بہنو اور بزرگو ہو سکے تو آج سے یہ کردار سازی کا کام شروع کر دیں۔پھر دیکھئے خدا کا قانون آپ کو کیا بنا دیتا ہے۔ ورنہ ہم کتنی بھی بزمیں دنیا میں بنا لیں۔کسی طرح کی بھی بنا لیں' یہ سب کچھ ممفورڈ کے الفاظ میں محض Decorative-Style ہوگا اور کچھ بھی نہیں اور قرآن حکیم کے معیار کے مطابق کہ ''تم نے محض چند نام رکھ دیئے ہیں جن کی حقیقت محض ناموں کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو قرآنی کردار کی تخلیق کی توفیق عطا فرمائے۔قرآنی کردار کا دوسرا مطلب ہے کہ نوع انسانی کے لئے ہم روزانہ کیا دیتے ہیں۔سرمایہ زدہ ذہنیت کا تقاضا ہے ''لینا'' اور زیادہ سے زیادہ لینا' لیکن اس سے کردار مٹتا چلا جاتا ہے' ذات برباد ہوتی جاتی ہے اور انسان پست سے پست ترین حالت کی طرف چلتا چلا جاتا ہے۔یعنی اسفل سافلین۔اس کے برعکس جو دیتا ہے یا زیادہ سے زیادہ فلاح نوع انسانی کے لئے دیتا ہے' وہ فلاح پاتا ہے۔اسی کی نشوونماءِ ذات ہوتی چلی جاتی ہے۔یعنی آپ کے سامنے ارجنٹ ترین سوال و معاملہ یہ ہے کہ ''میں دوسروں کے لئے بہتر سے بہتر کیا کر سکتا ہوں؟

What Best I can do for Others?

اور یاد رکھئے کہ جب تک اس سوال کا جواب عملی طور پر آپ کی زندگی سے نہیں ابھرتا' مسلسل و متواتر' آنے والی بقایا زندگی میں' تو کردار نام کی چیز کا خیال بھی دل سے نکال دیجئے اور قرآنی پیغام تو ایسے لوگ پھیلا ہی نہیں سکتے۔مجھے امید ہے کہ آپ سب سنجیدگی سے بار بار ان حقائق پر غور و فکر کریں گے اور زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے کہ یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔اللہ آپ سب کو خوش و خرم رکھے اور آپ کو کامیابیاں عطا کرے۔

پاکستان زندہ باد

The Human Self and Allah

Episode No. 19

By G. A. Parwez
(Translated by: Dr. Ejaz Rasool)

8.20 Power and Authority

This is because through this that great *Rehmat* is attained in this world which is the mark of distinction of the *Jamaat e Momineen* i.e. by becoming established on the land, a nation state and government is acquired. When Yusuf was bestowed with this distinct *Rehmat*, it was stated:

Thus, did We give established power to Yusuf in the land, to take possession therein as, when, or where he pleased. We bestow of our Rehmatas per Our law, and We suffer not, to be lost, the reward of those who do righteous deeds. (12:56)

Before proceeding, let us also examine how this *Rehmat* is gained. The Quran states:

Allah has promised, to those among you who have Eimaan and work righteous deeds, that He will, of a surety, grant them in the land, inheritance (of power), as He granted it to those before them; that He will establish in authority their Deen - the one which He has chosen for them; and that He will change (their state), after the fear in which they (lived), to one of security and peace: They will obey Me (alone) and not associate aught with Me. If any do reject Eimaan after this, they are rebellious and wicked. So establish Salat and establish Zakat; and obey the Messenger; so that you may receive Rehmat. (24:55-56)

Though further details about this illustrious verse will come in their own place, this much is evident here, that in order to become eligible for this *Rehmat* of Allah, the indispensable conditions which require to be fulfilled are as follows:

(1) *Eimaan*
(2) Righteous deeds
(3) Obedience of Allah alone
(4) Not to make anyone other than Allah as sovereign and ruler
(5) Establishment of *Salat*
(6) Establishing the dispensing of *Zakat*
(7) Obedience of Rasul-ullah

In other words, the strengthening of *Jamaat* by establishing *Salat*, leading to *Imamat* and organisation; consolidation of the central authority and arranging the provision of the

means of sustenance of mankind through the dispensing of *Zakat*; and all of this to be achieved by following the Divine system.

8.21 Elimination of Differences

Since this is the natural consequence of establishment in the land and righteous deeds, hence it enduresas such as long as this nation remains firm on *Eimaan* and righteous deeds, and for this the foremost condition is that it does not become captive to the curse of sectarianism and the rivalries of parties. For the Ummah to remain as one Ummah is a *Rehmat* of Allah:

If Your Rabb had so willed, He could have made mankind one people: but they will not cease to dispute. Except those on whom Your Rabb has bestowed His Rehmat… (11:118-119)

In other words, the nation on which there is Allah's *Rehmat* becomes a united Ummah by avoiding differences, and the Quran has been revealed for this very purpose that differences become eradicated:

And We sent down the Book to you for the express purpose, that you should make clear to them those things in which they differ, and that it should be a guide and Rehmat to those who have Eimaan. (16:64)

After this perspicuous Book, differences and sectarianism, distancing from Allah's *Rehmat* and the practical denying of *Tauheed* is (in Quranic terms) the path of *Shirk*:

…and be not you among those who join gods with Allah (Shirk), Those who split up their Deen, and become (mere) Sects, each party rejoicing in that which is with itself! (30:31-32)

The practical meaning of *Tauheed* is mutual harmony and unity in outlook. One Allah, one Rasul, one Book, one straight path and one Ummah treading on this path - then what reason is there for any difference? Unity in thought and deeds is indeed Allah's *Rehmat*, and this is thatvery conduct of the *Jamaat e Momineen*:

Muhammad is the messenger of Allah; and those who are with him are strong against Kuffar, (but) compassionate amongst each other…(48:29)

8.22 Means of Power and Defence Are *aRehmat*

This was about the internal organisation for strengthening of the government and state, the revolution of hearts and vision. Regarding the external organisation, it is stated that

provision of the means of defence against dangers from enemies is also a *Rehmat*. The barricade created by *Dhul-Qarnain*which was like a dam built to halt the overflowingflood of invaders, was a *Rehmat* of Allah:

Thus, were they made powerless to scale it or to dig through it. He said: This is Rehmat from my Rabb… (18:97-98)

Here, another pointrequires attention i.e. the accomplishment of Deen canonly occurwithbothaspects: there should be *Rehmat* and compassion in their hearts and along withthis, there should be such forceavailable that they can counter the opponents. Contrary to this, the Quran states aboutChristian monasticism (and they themselves claim this as well) that they only have compassion, no force:

…and We ordained in the hearts of those who followed him Compassion and Rehmat. But the Monasticism which they invented for themselves, We did not prescribe for them…(57:27)

In other words, they only had one componentso Deen was not complete. This is why in the beginning, due to the absence of power, they abandoned worldly affairs andadopted a life of monasticism. But whenstatehoodfell into their hands, for the completion of the second part they have had to become purely worldly, and due to not being able to create a blend between compassion and power they became completely secular. If Europe had gained complete Deenby both these aspects, then it would not have adopted this rebellion in such a way.

8.23 Hopelessness of*Rehmat* of Allah is *Kufr*

This was that methodthrough which the *Rehmat* of Allah remains in action, but if this *Rehmat*slips away due to the misdeeds of a nation andstatehood and government transforms into slavery and subjugation, even then one should not become hopeless about Allah's*Rehmat*. Such hopelessness is *Kufr* because this will be a practical affirmation that the law of Allah does not possess this potential that by living life according to it, the greatness which has slipped away can be restored, and this is what*Kufr* is:

Those who reject (display Kufr) the signs of Allah and the meeting with Him, it is they who shall despair of My Rehmat: it is they who will (suffer) a most grievous Penalty. (29:23)

This islosing one's way. Abraham stated:

…And who despairs of Rehmat of His Rabb, but such as go astray. (15:56)

This is why Allah stated about His 'Own' servants:

Say: O my Servants who have transgressed against their selfs! Despair not of Rehmat of Allah: for Allah provides protection against all excesses: for He is All Protecting, Raheem. (39:53)

That Allah Who gives direction to the rain clouds at that time when the whole world has given up all hope of rain:

He is the One that sends down rain (even) after (men) have given up all hope and scatters His Rehmat (far and wide). And He is the Protector, Worthy of all Hamd. (42:28)

8.24 Infinite Vastness of Means of *Rehmat*

The treasures of Allah's *Rehmat* can never become empty; this is the short-sightedness of man that he measures them according to his own scales:

Say: If you had control of the Treasures of the Rehmat of my Rabb, behold, you would keep them back, for fear of spending them: for man is niggardly! (17:100)

His *Rehmat* encompasses everything:

…Our Rabb! Your Reach is over all things, in Rehmat and Knowledge…(40:7)

This is why when His law of *Rehmat* wishes to extendits hand of beneficence, who can stop Him?

Say: Who is it that can screen you from Allah if (as per His Law of Requital) it be His wish to give you punishment or to give you Rehmat…(33:17) See also (35:2, 39:38)

8.25 Conditions for Deserving *Rehmat*

But His *Rehmat* is always conditional, when these conditions are fulfilled then this *Rehmat* is conferred. For example, when Moses prayed that his Ummah be blessed with *Rehmats*(till end times), it was stated in response that,following the revelation of the Quran, this *Rehmat* will become conditional on obedience of the Quran:

…but My Rehmat extends to all things. That (Rehmat) I shall ordain for those who do right, and practice Zakat, and those who have Eimaan in Our signs; Those who follow Rasul, the unlettered Nabi, whom they find mentioned in their own (scriptures), in the law and the Gospel; for he commands them what is just and forbids them what is evil; he

allows them as lawful what is good (and pure) and prohibits them from what is bad (and impure); He releases them from their heavy burdens and from the yokes that are upon them. So it is those who have Eimaan in him, honour him, help him, and follow the light which is sent down with him, it is they who will prosper. (7:156-157)

And My *Rehmat* encompasses all things. So I will write *Rehmat* for those people who will act righteously, and will dispense *Zakat*, and will establish *Eimaan* in Our laws. This means those people who will follow this *Nabi* whose coming these people find noted in their Torah and Gospel. He will command them to righteousness, forbid evil, and will declare *Halal* for them that which is pure. He will declare *Haram* that which is impure, and will distance their burdens, chains and impediments from them. Only those people who have *Eimaan* on this (*Nabi*) and will provide strength to him and will help him, and will follow this Light which will be sent with him, will be successful.

And the practical sign of obedience of Allah and Rasul is this -that Muslims become the arms and hands of each other (9:71) and after this make their life absolutely challenging, as the *Rehmats* of Allah are with those people who live a life of continuous Jihad and tenacious efforts in this world of trials and tribulations for the sake of the establishment of Divine sovereignty, and whenthe time comesthey are willing to give up every dearest thing. *Hijrat* is in fact the name given to this motive,departing fromyour land is one part of this, and these are the people who can become candidates for the*Rehmat* of Allah:

Those who accepted Eimaan and those who suffered exile and fought (and strove and struggled) in the path of Allah, they have the hope of the Mercy of Allah: And Allah is All-Protecting, Raheem. (2:218)

Not those people who are sitting idly doing nothing and simply waitingfor tomorrow. How can you compare those who are 'sitting to those who are racing'?

Not equal are those Momineen who sit and receive no hurt and those who strive and fight in the cause of Allah with their possessions and their persons…(4:95-96)

And all of this is not to be carried out onthe basis of impulsive or momentary sentiments,but should be performed with determination and solid resolve, because only a rock which is standingfirmand balanced on its foundation can face perils,unlike particles of sand which are ever willing to flow away with every rollof a wave. This resoluteness, steadfastness, and not losing heart is what the Quranic terminology calls*Sabr* and the *Rehmats*of Allah are with the *Sabireen* (plural of *Sabir*):

And (remember) Isma'il, Idris, and Dhul-Kifl, all (men) of constancy and patience; We admitted them to Our Rehmat: for they were of the righteous ones. (21:85-86)

This is that attribute which the Quran has explained in clear words:

Be sure we shall test you with something of fear and hunger, some loss in goods or lives or the fruits (of your toil), but give glad tidings to those who patiently persevere, Who say, when afflicted with calamity: 'To Allah We belong, and to Him is our return': they are those on whom (descend) blessings from Allah, and Rehmat, and they are the ones that receive guidance. (2:155-157)

8.26 Regaining Lost Greatness is *Rehmat*

When the state of *Eimaan* and deeds becomes such, then the *Rehmats* of Allah themselves seek out such men; lost wealth, stoleneminences and buried treasures areonce again achieved. In the case of the narrative relating to Moses, when those orphan children were giventheir buried treasure, Allah called this His*Rehmat*:

…So, your Rabb desired that they should attain their age of full strength and get out their treasure - Rehmat from your Rabb…(18:82)

And the recompense for the*Sabr* of Ayub was given in this way, that his lost home and possessions and a lot more together with this were restored:

So, We listened to him: We removed the distress that was on him, and We restored his people to him, and doubled their number, as Rehmat from Ourselves, and a thing for commemoration, for all who serve Us. (21:84)

As a result of *Eimaan* and *Taqwa*a double share of*Rehmats*are awarded, and such aglowing light comes into their hands in the brightness of which the whole world can be led:

O you who have Eimaan! fear Allah, and have Eimaan in His Messenger, and He will bestow on you a double portion of His Rehmat: He will provide for you a Light by which you shall walk (straight in your path), and He will provide means of protection: for Allah is All Protecting, Raheem. (57:28)

This is the technique for not becoming hopeless of gaining *Rehmat*.

8.27 Man's Strange Response

But man is a strange creature; Allah showers His *Rehmat*on him and he adopts transgression,thinking that all this is obtained through his own skills. What Allah?And what *Rehmat*of His?And when these*Rehmats*slip away from him then he becomes as hopeless as if there is no support left for him:

When we give him a taste of some Rehmat from Ourselves, after some adversity has touched him, he is sure to say, this was to happen like this for me …(41:50)

And:

…And truly, when We give man a taste of Rehmat from Ourselves, he does exult thereat, but when some ill happens to him, on account of the deeds which his hands have sent forth, truly then man displays Kufr! (42:48)

Even though what should have happened was that when the means of sustenance were plentiful and human abilities were freely available (i.e.*Rehmats*of Allah), these should have been utilised according to the laws of Allah (this is what *Shukr*means i.e. being grateful to Allah).

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور شُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔



(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)



PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.76
ISSUE
08

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam

